سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۱۲)

سیرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ

یعنی

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے مفصل سوانح زندگی اور ان کے عہد حکومت کے مجددانہ کارنامے

مؤلفہ

مولانا عبد السلام ندوی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ میں چھپی

۱۳۶۵ھ
۱۹۴۶ء

طبع سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ طبع ثالث

سیرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا یہ تیسرا اڈیشن ہے، اور پہلے دونون اڈیشنون سے کسی قدر مختلف اور ممتاز ہے، ہم نے اس کتاب کے دیباچہ مین اس کے ماخذ کے جو نام بتائے تھے، اُن کے متعلق لکھا تھا کہ محدثین نے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے فضائل و مناقب مین متعدد کتابین لکھی تھین، جن مین محدث ابن عبدالحکم اور عبدالملک بن حبیب بن سلیمان کی کتابین ناپید ہین، لیکن خوش قسمتی سے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کے بعد محدث ابن عبدالحکم کی کتاب بھی چھپ کر شائع ہوگئی، اور اس کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اگر اس کتاب کی تصنیف کے وقت وہ بھی موجود ہوتی، تو اُس مین اور بھی بہت سی مفید معلومات کا اضافہ ہوجاتا، اس بنا پر جب اس کتاب کے طبع سوم کے وقت اس پر نظر ثانی کی گئی، تو یہ خیال تازہ ہوگیا، اور محدث ابن عبدالحکم کی کتاب سے معلومات

حاصل کرکے مختلف موقعون پراُن کا اضافہ کیا گیا، اس لئے اب یہ اڈیشن پہلے اور دوسرے ایڈیشنون سے زیادہ جامع اور مکمل ہوگیا ہے، اور اس مین بہت سی ایسی مفید باتون کا اضافہ کردیا گیا ہے، جن سے پہلے کے دونون ایڈیشن خالی تھے،

وَالحمدُ للہ علیٰ ذٰلک

عبدالسّلام ندوی
دارالمصنفین اعظم گڈھ

۲۸، فروری سنہ ۱۹۴۶ء
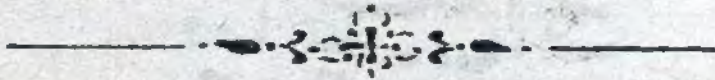
فہرست مضامین

سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا

تمہید طبع اوّل

دنیا میں جن لوگوں نے انقلابات پیدا کئے ہیں، اُن کا روشن ترین کارنامہ صرف یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے دنیا کی ترقی کا ایک قدم اور آگے بڑھا دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ہم فرماں روایانِ اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اُن کے پرعظمت کارناموں میں ہماری نگاہ صرف اس پر پڑتی ہے کہ اون کے عہد سے پہلے دنیا کا قدم کس نقطہ پر تھا، اور اُنھوں نے اوس کو کس مرکز پر پہنچا دیا،

چنانچہ مولانا شبلی مرحوم نے رائل ہیروز آف اسلام کا سلسلہ شروع کیا تو اسی خصوصیت کو پیش نظر رکھ کر اُنھوں نے مختلف سلسلے کے حسب ذیل فرماں رواؤں کا انتخاب کیا،

خلفاے راشدین رضؓ	حضرت عمر رضی اللہ عنہ
بنو امیّہ	ولید بن عبد الملک
عباسیہ	مامون الرشید
بنو امیّہ اندلس	عبد الرحمٰن ناصر
بنو حمدان	سیف الدولہ
سلجوقیہ	ملک شاہ
نوریہ	نور الدین محمود زنگی

ایوبیہ	سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس
موحدین اندلس	یعقوب بن یوسف
ترکانِ روم	سلیمان اعظم

لیکن اس باب میں اسلام کی تاریخ تمام دنیا کی تاریخوں سے مختلف ہے، اسلام کا روشن ترین زمانہ صرف وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا اور خلافت راشدہ تک پہنچکر ختم ہو گیا، اس لئے خلفاے اسلام کا قابل فخر کارنامہ یہ نہیں ہے کہ اُنھوں نے دنیا کو اس نقطۂ نورانی سے آگے بڑھایا، بلکہ ان کا حقیقی شرف یہ ہے کہ انھوں نے زمانہ کو اس قدر پیچھے ہٹایا کہ وہ عہد صحابہؓ سے جا کر مل گیا،

خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ کا دور حکومت شروع ہوا جس میں بڑے بڑے فرمانروا گذرے، عبدالملک نے ۲۱ سال تک حکومت کی، اور اس سلطنت کی بنیاد کو مستحکم کر دیا، ولید نے اس کثرت سے فتوحات کیں اور اس کثرت سے عمارتیں تعمیر کرائیں کہ تمام دنیا اسلامی تمدن کا تماشاگاہ بن گئی،

لیکن ان میں صرف حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک ایسے شخص ہیں جنھوں نے زمانے کی باگ پھیر کر اس کو عہدِ صحابہؓ سے ملا دیا، اس لئے محدثین نے اون کو مجددانِ اسلام میں شمار کیا ہے، اور ان کے فضائل و مناقب میں کتابیں لکھی ہیں، محدث ابن جوزی نے اون کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا نام سیرت عمر بن عبدالعزیز ہے، ابن سعد نے طبقات میں ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے، عبداللہ ابن عبدالحکم نے جو مصر کے سب سے بڑے محدث اور امام شافعیؒ کے دوست ہیں، ان کے فضائل میں ایک کتاب تصنیف کی ہے[1] اور عبدالملک بن حبیب بن سلیمان نے ایک کتاب میں ان کے فضائل جمع کئے ہیں،[2] ان کے علاوہ اسلام کی جو سیاسی تاریخیں لکھی گئیں، اون میں بھی ان کے دورِ حکومت کی اس

[1] الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب ص ۱۳۴ [2] ایضاً ص ۱۵۵

خصوصیت کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے، اور اسی بنا پر ہم نے ولید کو چھوڑ کر ان کو اس خاندان کا ہیرو قرار دیا ہے،

محدثین نے ان کے حالات میں جو کتابیں لکھی تھیں ان میں ابن عبد الحکم اور عبد الملک کی کتابیں ناپید ہیں، البتہ محدث ابن جوزی کی کتاب کو یورپ اور مصر دونوں نے چھاپ کر شائع کر دیا ہے، اور طبقات ابن سعد کی تمام جلدیں بھی ہمارے سامنے آگئی ہیں، لیکن اردو میں جن لوگوں نے اُن کے حالات لکھے ہیں، اُنھوں نے صرف سیاسی تاریخوں کو پیش نظر رکھا ہے، اور ان دونوں کتابوں سے مطلق فائدہ نہیں اٹھایا ہے، حالانکہ ان کے اخلاق و عادات، فضائل و مناقب، اور مجددانہ کارناموں کا اصلی ذخیرہ ان ہی کتابوں میں مل سکتا ہے، اس لئے ہم نے اور کتابوں کے ساتھ ان دونوں کتابوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنی تصنیف کا ماخذ قرار دیا ہے،

ہماری زبان میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی متعدد سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان مرقعوں میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی تصویر کے اصلی خط و خال نمایاں نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے شایانِ شان ایک دوسری تصنیف کی ضرورت تھی، اور اسی ضرورت نے مجھکو اس کتاب کے لکھنے پر مجبور کیا، وما توفیقی علیہ الا باللہ

عبد السلام ندوی

دار المصنفین اعظم گڈھ

دیباچہ

خلافت بنوامیہ

اسلام سے پہلے تمام عرب کی طاقت کا مرکز قریش کا قبیلہ تھا، لیکن قریش کے بھی مختلف ٹکڑے ہو گئے تھے، جن میں بنوہاشم اور بنوامیہ سب میں ممتاز تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اگرچہ بنوہاشم علانیہ اپنے حریف بنوامیہ سے ممتاز ہو گئے، لیکن زمانۂ جاہلیت میں جمعیت اور ملکی اقتدار کے لحاظ سے بنوامیہ کا پلہ بھاری تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب خلافت کا سوال پیدا ہوا تو دعوئ خلافت میں صرف بنوہاشم نے حصہ لیا، بنوامیہ اس سے بالکل الگ رہے، حضرت عمرؓ کے بعد اگرچہ حضرت عثمانؓ جو اموی تھے خلیفہ مقرر ہو گئے لیکن یہ خود خاندان بنوامیہ کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ خود حضرت عمرؓ نے جن چھ اشخاص کو خلافت کے لئے انتخاب کیا تھا اُن میں وہ بھی داخل تھے اور جب اس نزاع کے طے کرنے کیلئے حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ ثالث مقرر ہوئے تو انھوں نے حضرت عثمانؓ ہی کا انتخاب کیا اور اس فیصلہ پر خود حضرت علیؓ بھی راضی ہو گئے۔

خاندان بنوامیہ میں حضرت امیر معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خود اپنی قوت بازو سے شام میں مستقل حکومت قائم کی اور آخر میں اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا اور تمام عرب سے اسکے ہاتھ پر بیعت لی، اسلئے خاندان بنوامیہ کی سیاسی تاریخ درحقیقت امیر معاویہؓ کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے جو حکومت قائم کی تھی، اس نے بہت کم عمر پائی، یزید ان کا جانشین ہوا تھا، لیکن اس کی وفات کے بعد ہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مستقل طور پر دعوئ خلافت کیا، اور شام و مصر کے سوا تمام دنیائے اسلام انکے قبضۂ اقتدار میں آ گئی، شام و مصر کے لوگوں نے معاویہ بن یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن چند ہی

دنوں کے بعد معاویہ کا انتقال ہوگیا، اور اس نے اپنی نیک نفسی سے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، اب یہ دونوں ملک بھی گویا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوگئے اور بنو امیہ کا نام گویا صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، دفعۃً بنوامیہ کی سیاسی تاریخ کا دوسرا دور شروع ہوا جو پہلے سے زیادہ پرعظمت، زیادہ وسیع اور زیادہ شاندار تھا، یعنی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہی کے زمانے میں خاندان بنوامیہ میں سے مروانی خاندان نے خلافت کیلئے دوبارہ کوشش کی اور مروان بن حکم نے بغاوت کر کے شام و مصر پر قبضہ کرلیا، لیکن اس نے اسقدر کم زمانہ پایا کہ اسکے عہد میں اس خاندان کو سیاسی استقلال حاصل نہ ہوسکا، مروان کے بعد اسکے بیٹے عبدالملک نے مروانی حکومت کا اصلی ڈھانچہ قائم کیا اور مستقل ۲۱ برس تک سلطنت کی جس میں سات آٹھ سال اگرچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ خانہ جنگی میں صرف ہوئے لیکن ۱۳، ۱۴ سال تک اس نے نہایت اطمینان کیساتھ تمام دنیائے اسلام پر تنہا حکومت کی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ جن کے حالات ہم لکھ رہے ہیں اسی عبدالملک کے بھتیجے تھے، اگرچہ انکے زمانہ تک خلافت کی جو ترتیب چلی آرہی تھی اسکے لحاظ سے وہ اس کے مستحق نہ تھے تاہم انھوں نے اپنے طرز عمل سے اپنا استحقاق قائم کرلیا، مروج الذہب مسعودی میں ہے،

اخذ عمر بن عبدالعزیز الخلافۃ بغیر حقہا ولا باستحقاق ثم استحقہا بالعدل حین اخذہا،	حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ بغیر استحقاق کے خلیفہ مقرر ہوئے لیکن خلیفہ ہونے کے بعد عدل و انصاف کی بنا پر اس کے مستحق ہوگئے،

تاریخ اسلام میں ان کا دور حکومت اس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز ہے کہ انھوں نے خلافت راشدہ کے نظم و نسق کو دوبارہ قائم کیا، اور انکے عہد میں تمام دنیا کو ایک بار پھر عہد صحابہؓ کی خصوصیات نظر آگئیں، چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں،

دقد سطم عمر بن عبدالعزیز فنزع الی طریقۃ الخلفاء الاربعۃ والصحابۃ جہدہ (ابن خلدون جلد ۲)	حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ مروانی سلسلہ کی درمیانی کڑی تھے انھوں نے اپنی تمام تر توجہ خلفائے راشدین اور صحابہؓ کے

بنو امیہ کا رقبۂ حکومت | حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جس ملک پر حکومت کی وہ خوش قسمتی سے نہایت وسیع ملک تھا، اس لئے انھوں نے جس کشادہ دلی کیساتھ ملک کو ہر قسم کے خیر و برکت سے لبریز کرنا چاہا، اسی وسعت کے ساتھ ان کے اثر کو پھیلنے کا موقع ملا،

تاریخ اسلام میں بنو امیہ اور عباسیہ باہم حریف مقابل ہیں، لیکن بنو امیہ کو نہ صرف عباسیہ پر بلکہ تمام فرماں روایانِ اسلام پر یہ فضیلت حاصل ہو کہ انھوں نے اسلامی حدود حکومت کو اپنے زور بازو سے اس قدر وسیع کر دیا کہ تاریخ میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی، خلفاے راشدینؓ کے زمانہ تک صرف عرب، شام، مصر، اور ایران اسلام کے حدود حکومت میں داخل تھے، لیکن خلفاے بنو امیہ نے اپنے دور حکومت میں اس نقطہ کو دائرہ اور اس حباب کو دریا بنا دیا، انھوں نے ایک طرف تو افریقہ اور مغرب کے تمام شہروں کو فتح کر کے اندلس کو اسلامی یادگاروں کا سب سے بڑا مرکز بنا دیا، دوسری طرف مشرق میں سندھ کابل اور فرغانہ کو فتح کر کے سرزمین چین میں اپنا جھنڈا نصب کیا، روم کی طرف بڑھے تو قسطنطنیہ کی چہار دیواری تک پہنچکر دم لیا، جزائر میں قبرص، اقریطش (کریٹ)، اور روڈس وغیرہ کو فتح کیا، غرض مشرق، مغرب، جنوب، شمال، عرب، عجم، ترک و تاتار، چینی اور ہندی تمام قوموں نے ان کے آگے سر جھکایا، اور تمام ممالک ان کے زیر نگیں ہوئے،

حکومت بنو امیہ کا رقبہ اندلس کے آخری گوشوں سے لیکر سندھ تک پہنچتا تھا، اور ادھر بلاد روم سے شروع ہو کر چین کی دیواروں تک ختم ہوتا تھا، اور اس طرح گویا اس وقت دمشق کا پایۂ خلافت افریقہ اور ایشیا کے براعظم کا مرکز تھا، (تفصیل نقشہ سے معلوم ہو گی) حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اگرچہ فاتحانہ حیثیت سے اس رقبۂ حکومت کو وسیع نہیں کیا، تاہم اسکو عدل و انصاف سے معمور کر دیا اور یہی ایک فرماں روا کا سب سے بڑا کارنامہ ہے،

⁂

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

نسب اور خاندان

ابو حفص کنیت اور عمر نام تھا، باپ کا نام عبد العزیز اور ماں کا نام ام عاصم ہے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عمرؒ بن عبد العزیز بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ بن عبد شمس

حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کے والد خاندان بنوامیہ میں ایک ممتاز اور خوش قسمت بزرگ تھے، خود ان کا بیان ہے کہ میں مصر میں مسلمہ بن مخلد کی گورنری کے زمانہ میں گیا، تو وہاں میرے دل میں چند تمنائیں پیدا ہوئیں، اور وہ سب کی سب پوری ہوئیں، میری آرزو تھی کہ میں مصر کا گورنر ہوتا، میری خواہش تھی کہ میں مسلمہ کی دونوں بیبیوں کو اپنے حبالۂ نکاح میں لاتا، میری تمنا تھی کہ قیس بن کلیب میرا حاجب ہوتا، چنانچہ خدا نے ان کی یہ تمام امیدیں پوری کیں مسلمہ کی دونوں بی بیاں اُن کے نکاح میں آئیں، قیس بن کلیب ان کا حاجب مقرر ہوا، اور پورے ۲۰ سال دس مہینے ۱۲ دن تک متصل مصر کی گورنری کی، مورخین کا بیان ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کسی گورنر کا دور حکومت اس قدر ممتد نہیں ہوا،

ان کی گورنری کا زمانہ رجب ۶۵ھ سے شروع ہوا جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ عبد الرحمٰن بن حجدم جو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی طرف سے مصر کا گورنر تھا مصر کے اُن تمام خوارج کو جو مکہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے معین و مددگار تھے، جمع کر کے تحکیم کا دعویٰ کیا، اور علی الرغم حامیان بنی امیہ لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد ذو قعدہ ۶۴ھ

میں عبدالعزیز کے باپ مروان بن حکم نے تمام لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی، مصر کے لوگ اگرچہ
بظاہر ابن جحدم کے طرفدار تھے لیکن در پردہ ان کا میلان مروان کی طرف تھا اس لئے انھوں نے اوس کو
مصر میں بلایا، مروان اکابر و اعیان کی ایک جماعت کثیر کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا اور اپنے بیٹے
عبدالعزیز کو ایک فوج کے ساتھ ایلہ کی طرف روانہ کیا، ابن جحدم نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ
مقابلہ کی تیاری کی، اکدر بن حمام اللخمی کی قیادت میں چند جنگی جہاز روانہ کئے کہ بحری راستہ سے شام کا رخ
کرے، بری جنگ کے لئے دو فوجیں بھیجیں جن میں ایک کا مقصد یہ تھا کہ عبدالعزیز کو ایلہ میں داخل نہ
ہونے دے، اس فوج کا سپہ سالار زہیر بن قیس تھا، اس نے مقام بصاق میں پہونچ کر عبدالعزیز کا
مقابلہ کیا اور شکست کھائی خود ابن جحدم نے مقام عین شمس میں مروان کا مقابلہ کیا، اور تقریباً دو روز
تک معرکہ کی لڑائی ہوئی جس میں فریقین کے بہت سے لوگ کام آئے، بالآخر متعدد باثر اشخاص نے
بیچ میں پڑکر مروان اور ابن جحدم میں مصالحت کرادی، اور مصالحت کے بعد مروان جمادی الاولیٰ ۶۵ھ
میں داخل مصر ہوا اور دار فلفل میں اترا جو آج مسجد جامع کے سامنے واقع ہے، لیکن اس کی بلند ہمتی
نے اس کو گوارا نہیں کیا، اس لئے اُس نے کہا کہ خلیفہ ایسے شہر میں قیام نہیں کر سکتا جس میں
کوئی محل نہ ہو، چنانچہ اوس کے حکم سے قصر بیضاء تعمیر ہوا، اس نے لوگوں کے عطیے مقرر کئے اور
اور قبیلہ معافر کے سوا تمام اہل مصر نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی، مروان نے مصر میں کل دو مہینے
قیام کیا، اور رجب ۶۵ھ میں اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں کا گورنر مقرر کرکے واپس آیا، رخصت کے
وقت عبدالعزیز نے معذرت کی کہ "اے امیر المومنین میں ایک ایسے شہر میں جس میں میرا کوئی بھائی بند
نہیں ہے، کیونکر قیام کر سکوں گا؟" مروان نے کہا "جان پدر عام طور پر احسان کرو سب تمہارے
بھائی ہو جائیں گے، سب سے کشادہ روئی کے ساتھ ملو سب تمہارے دوست بن جائیں گے، تمام
رؤسا کو یقین دلاؤ کہ وہ تمہارے خواص میں تو وہ تمہارے حامی بن جائیں گے، اور ان کی تمام

قوم تمہاری اطاعت کرنے لگے گی، میں تمہارے بھائی بشر کو تمہارا ہمدم اور موسیٰ بن نصیر کو تمہارا وزیر اور مشیر مقرر کرتا ہوں"، اس کے ساتھ اور بھی بہت سی اخلاقی نصیحتیں کر کے اوس سے رخصت ہوا اور واپسی کے بعد صرف دو مہینہ تک زندہ رہا، یعنی رمضان ۶۵ھ میں انتقال کر گیا،

مروان کے بعد اُس کا بیٹا عبد الملک خلیفہ ہوا، اور اس نے بھی عبد العزیز کو اس عہدے پر قائم رکھا، عبد العزیز نے اپنے زمانہ گورنری میں بہت سے قابل یادگار کام کیے، ۶۷ھ میں ایک زرنگار محل بنوایا، ۷۰ھ میں مصر میں طاعون آیا، تو اُس نے وہاں سے نکل کر حلوان میں مستقل سکونت اختیار کر لی، اور وہاں متعدد محل اور مسجدیں تعمیر کروائیں، اور انگور و خرما کے متعدد باغ لگوائے، ۷۷ھ میں مصر کی مسجد جامع کو منہدم کرا کے از سر نو تعمیر کروایا، اور چاروں طرف اُس میں اضافہ کیا، ۶۹ھ میں خلیج مصر پر دو پل بندھوائے اور اوس پر اپنا نام کندہ کرایا،[۱]

مذہبی حیثیت سے تعریف کی ایجاد کی یعنی عرفہ کے دن عصر کے بعد مسجد میں بیٹھنے کا طریقہ قائم کیا،

علماء کے حقوق و احترام کو نہایت فیاضی کے ساتھ قائم رکھا، عبد الرحمن بن حجیرہ خولانی قاضی مصر کا ہزار دینار سالانہ وظیفہ مقرر کیا، اور ابو الخیر مرثد بن عبد اللہ الیزنی کو خود اپنے یہاں بلاتا تھا اور اُن سے فتویٰ لیتا تھا،[۲]

شعراء کے ساتھ اس قدر فیاضانہ سلوک کیا کہ ایک بار کسی نے کثیر سے پوچھا کہ اب تم شعر کیوں نہیں کہتے؟ بولا عبد العزیز کی وفات کی بعد صلہ کی کس سے توقع ہو سکتی ہے؟[۳]

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ روزانہ ہزار طبق خود اس کے مکان کے گرد چنے جاتے تھے، اور سو طبق میں عموماً اہل مصر کو کھانا تقسیم ہوتا تھا، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے،

۱؎ حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۲۰۷، ۲؎ ایضاً جلد ۱ ص ۱۱۱ ۳؎ ایضاً تذکرہ عزہ ص ۲۳،

كل يوم كانه يوم اضحى	عند عبد العزيز او يوم فطر
ہر دن عبد العزیز کے یہاں	عید یا بقرعید کا دن ہوتا ہے
وله الف جفنة مترعات	كل يوم تمدها الف قدر
ان کے یہاں ہزار چھلکتے ہوئے پیالے ہیں	جن کو ہزار دیگیاں لبریز کرتی ہیں

عبد العزیز نے ۸۶ھ میں ۱۴ رجادی الاولیٰ یوم دوشنبہ کو حلوان میں انتقال کیا اور لاش فسطاط میں لاکر دفن کی گئی، مرتے وقت یہ الفاظ زبان پر تھے، کاش میں کوئی قابل ذکر چیز نہ ہوتا، کاش میں ایک تنکا یا حجاز کا ایک چرواہا ہوتا، متعدد شعراء نے پر درمرثیے لکھے جن کو کندی نے اپنی کتاب ولاۃ مصر میں نقل کیا ہے[1]،

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی والدہ ام عاصم حضرت عاصم بن عمر بن الخطابؓ کی صاحبزادی تھیں، علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ایک روز رات کو حضرت عمرؓ مدینہ کا گشت لگا رہے تھے کہ ایک دیوار کے کنارے تھک کر بیٹھ گئے، گھر کے اندر ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ "اوٹھ کر دودھ میں پانی ملا دے" لیکن لڑکی نے کہا کہ "امیر المومنین نے عام منادی کرادی ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے" ماں نے کہا کہ "اس وقت عمرؓ اور عمرؓ کے منادی دیکھ نہیں سکتے، تم دودھ میں پانی ملاؤ" اس نے جواب دیا کہ "خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں امیر المومنین کی اطاعت کروں اور خلوت میں اون کی نافرمانی کا داغ اپنے دامن پر لگاؤں" حضرت عمرؓ نے یہ تمام گفتگو سن لی اور اسلم سے کہا کہ اس دروازے اور اس جگہ کو یاد رکھو، صبح ہوئی تو ان کو بھیجا کہ پتہ لگائیں کہ یہ کون عورتیں تھیں، اور وہ صاحب شوہر ہیں یا نہیں؟ وہ آئے تو معلوم ہوا کہ لڑکی کنواری اور ماں بیوہ ہے، اب

---

[1] یہ پوری تفصیل کتاب ولاۃ مصر للکندی مطبوعہ بیروت میں مذکور ہے، دیکھو کتاب مذکور از صفحہ ۵۱ تا صفحہ ۵۵

حضرت عمرؓ نے اپنے تمام لڑکوں کو جمع کیا اور کہا کہ "اگر مجھے نکاح کی ضرورت ہوتی تو میں خود اس لڑکی سے نکاح کر لیتا، لیکن تم میں جو پسند کرے میں اس سے اُس کا نکاح کر سکتا ہوں"، عبد اللہؓ اور عبد الرحمنؓ کے بیبیاں موجود تھیں، البتہ عاصم کو نکاح کی ضرورت تھی، اس لئے انھوں نے اُس سے عقد کر لیا، اور اسی لڑکی سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی ماں ام عاصم پیدا ہوئیں[1]، اور اس لحاظ سے حضرت عمرؓ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پرنانا ہوئے،

ولادت حافظ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مصر کے ایک گاؤں حلوان میں جس کے امیران کے باپ تھے ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں پیدا ہوئے[2]، لیکن علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ یزید کے زمانۂ خلافت میں مدینہ میں پیدا ہوئے، اور اپنے باپ کی گورنری کے زمانہ میں مصر میں نشو و نما پائی[3]، اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، عبد العزیز بن مروان کی گورنری کا زمانہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، ۶۵ھ سے شروع ہوتا ہے، اس لئے ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں حلوان میں اون کی ولادت قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی،

تعلیم و تربیت بہر حال حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مدینہ میں پیدا ہوئے، اور جب بڑے ہوئے تو اون کے والد عبد العزیز مصر کے گورنر مقرر ہوگئے، اور وہاں سے اُنھوں نے اپنی بی بی ام عاصم کو لکھا کہ اپنے بچے کو لیکر مصر چلی آئیں، وہ اپنے چچا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس آئیں اور اس کی اطلاع دی، اُنھوں نے کہا کہ تم تو چلی جاؤ، لیکن اس بچے کو ہمارے ہاں چھوڑ دو کیونکہ وہ تم میں ہم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے، چنانچہ وہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو ان کے

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص۶، سیرت ابن عبد الحکم ص۱۸-۱۹ میں جو روایت ہے وہ اس سے کسی قدر مختلف ہے، اسمیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود عاصمؓ کو اس لڑکی کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا اور انہیں کہا کہ تم اس سے نکاح کر لو کیونکہ اس کی ایک ایسا شہسوار پیدا ہوگا جو عرب کا سردار ہوگا [2] تذکرۃ الخلفاء تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ [3] تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ،

یہاں چھوڑ کر مصر چلی گئیں، عبد العزیز بن مروان نے اون کو نہیں دیکھا تو پوچھا کہ عمر کہاں ہیں؟ انھوں نے واقعہ بیان کیا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے بھائی عبد الملک کو اس کی اطلاع دی، اس نے ہزار دینار ماہوار ان کا وظیفہ مقرر کردیا، اسکے بعد وہ اپنے باپ کے یہاں آئے اور قیام کیا پھر ایک واقعہ کے پیش آجانے سے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اون کی تعلیم مدینہ ہی میں ہو، چنانچہ انکو مدینہ بھیجدیا،[1] اور انھوں نے وہیں صالح بن کیسان کی اتالیقی میں تعلیم و تربیت پائی اور صالح بن کیسان نے جس دیانت کے ساتھ ان کی مذہبی و اخلاقی نگرانی کی، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار انھوں نے نماز میں تاخیر کی اور صالح بن کیسان نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ بال سنوارنے میں دیر ہوگئی، بولے کہ اب بالوں کی آرائش کو نماز پر بھی ترجیح دیتے ہو؟ چنانچہ عبد العزیز کو اس واقعہ کی خبر کی اور انھوں نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا جس نے آکر پہلے اون کے بال منڈوائے اس کے بعد بات چیت کی،[2] غالباً یہی اثر تھا جس کی بنا پر حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ان کو اپنی اولاد کا اتالیق بھی مقرر کیا،[3]

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا، اور عربیت اور شعر و شاعری کی تعلیم حاصل کی،

حدیث کی روایت اگرچہ مختلف شیوخ سے کی جن میں تابعین کے علاوہ متعدد صحابہ بھی شامل تھے، لیکن وہ اس مقدس فن میں زیادہ تر عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود کے مرہون منت ہیں، تذکرۃ الحفاظ میں بالتخصیص لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے مودب[4] تھے، خود حضرت عمر بن عبد العزیزؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جن لوگوں سے روایت کی ہے، اُن میں عبد اللہ

[1] سیرت ابن عبد الحکم ص ۱۹-۲۰ [2] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۹ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۳۲ تذکرہ صالح بن کیسان [4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۶۵ تذکرہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود،

ابن عبداللہ بن عتبہ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں[۱]"

ان بزرگوں کے فیض صحبت سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے یہ درجہ حاصل کیا کہ بڑے بڑے محدثین کو اُن کے فضل و کمال کا اعتراف کرنا پڑا، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اُن کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے،

کان اماما فقیھا مجتھدا عارفا	وہ بڑے امام، بڑے فقیہ، بڑے مجتہد، حدیث کے
بالسنن کبیر الشان ثبتا حجۃ حافظا	بڑے ماہر اور معتبر، حافظ اور سند تھے،

میمون بن مہران کا قول ہے کہ "ہم ان کے پاس اس خیال سے آئے تھے، کہ وہ ہمارے محتاج ہونگے، لیکن ہم کو معلوم ہوا کہ ہم خود انہی کے شاگرد ہیں" بڑے بڑے علماء اُن سے مشکل مسائل کے متعلق سوال کرتے تھے اور وہ نہایت پختگی کے ساتھ جواب دیتے تھے، ایک بار حجاز اور شام کے متعدد علماء جمع ہوئے اور اُن کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ آپ ان سے

انی لھم التناوش من مکان بعید	وہ دور سے کیونکر پا سکتے ہیں،

کی تفسیر کے متعلق سوال کیجئے، اُنھوں نے پوچھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا کہ تناوش من مکان بعید سے وہ توبہ مراد ہے، جس کی ایسی حالت میں خواہش کی جائے جس میں اُس پر انسان قادر نہ ہو، لیکن تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد اُن کو امور سلطنت کی مصروفیت نے مزاولت علمیہ کا موقع نہیں دیا، اس لئے وہ اپنے علمی سرمایہ کو محفوظ نہ رکھ سکے، اُن کا خود بیان ہے کہ میں مدینہ سے فارغ ہو کر نکلا تو وہاں مجھ سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، لیکن شام میں آکر سب کچھ بھول گیا[۲]، امام زہری کا بیان ہے کہ "میں نے ایک رات ان سے گفتگو کی، تو اُنھوں نے کہا کہ "جو حدیثیں آپ نے بیان کیں، میں نے وہ سب سنی تھیں، لیکن آپ نے اُن کو یاد رکھا

[۱] یہ تمام تفصیل سیرۃ عمر بن عبدالعزیز میں از صفحہ ۵ تا صفحہ ۹ میں ہے [۲] تذکرۃ الحفاظ تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ،

اور میں بھول گیا[1]

شادی | عبد العزیز بن مروان کے انتقال کے بعد عبد الملک نے اپنی لڑکی فاطمہ سے اون کی شادی کر دی، اور انھوں نے نہایت بلیغ الفاظ میں اوس کا شکریہ ادا کیا[2]،

مدینہ منورہ کی گورنری | اگرچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے فضل و کمال کا سب سے زیادہ موزوں مظہر صرف مسند درس ہو سکتا تھا، لیکن خاندان خلافت کے تعلقات نے اس کے لئے مسند حکومت کا انتخاب کیا، پہلے وہ عبد الملک بن مروان کی طرف سے خناصرہ کے گورنر تھے[3]، لیکن ۸۶ھ میں جب ولید بن عبد الملک سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے ربیع الاول ۸۷ھ میں ان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اس عہدہ کے قبول کرنے میں لیت و لعل کیا، اور جب ولید نے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے چند شرطیں پیش کیں جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ جو گورنر اُن سے پہلے تھے اون کے ظلم و عدوان پر اون کو مجبور نہ کیا جائے، ولید نے جواب دیا کہ آپ حق پر عمل کیجئے گو ہم کو ایک درہم بھی وصول نہ ہو[4]، اس معاہدے کے بعد وہ شام سے مدینہ کو روانہ ہوئے، لیکن اس وقت عمر بن عبد العزیز وہ عمر بن عبد العزیز نہ تھے، جو کبھی حضرت ابو ہریرہؓ، اور کبھی حضرت مصعبؓ بن عمیر کے قالب میں نمایاں ہوتے تھے، اس لئے شام سے نکلے تو ۳۰ اونٹوں پر ان کا ذاتی ساز و سامان لدکر روانہ ہوا[5]، مدینہ میں پہونچے تو مروان کے مکان میں اترے، نماز ظہر سے فارغ ہوکر فقہائے مدینہ میں سے دس بزرگوں کو طلب کیا، اور ان کے سامنے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک ایسے کام کے لئے طلب کیا ہے، جس پر

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۰-۲۱ [2] تاریخ الخلفاء تذکرہ عمر بن عبد العزیز و سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۲۷،
[3] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۲۲، [4] ایضاً ص ۲۲، [5] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۳۹،

آپ لوگوں کو ثواب ملے گا، اور آپ حامی حق قرار پائیں گے، میں آپ لوگوں کی رائے و مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا، پس اگر آپ لوگ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ لوگوں میں سے کسی کو میرے کسی عامل کے ظلم کا حال معلوم ہو تو میں خدا کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ وہ مجھ تک اس معاملہ کو ضرور پہنچائے،، فقہار نے یہ تقریر سنی تو اون کو جزاے خیر کی دعا دیتے ہوئے واپس آئے[1]،

تعمیر مسجد نبویؐ گورنری مدینہ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؓ نے جو ناقابل فراموش یادگاریں قائم کیں، اون میں ایک ابدی یادگار مسجد نبوی ہے، مسجد نبوی میں اگرچہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے تغیر و اضافہ شروع ہو گیا تھا بالخصوص حضرت عثمانؓ نے تو اُس کو بہت کچھ شاندار بنا دیا تھا، لیکن اون کے بعد حضرت علیؓ کے زمانہ سے لے کر عبدالملک کے زمانہ تک کسی خلیفہ نے اوس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا، ولید کا زمانہ آیا تو اُس نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی اور مسجد کو نئے آب و رنگ کے ساتھ تعمیر کروانا چاہا، چنانچہ جب وہ مسجد دمشق کی تعمیر سے فارغ ہوا، تو ربیع الاول ۸۸ھ میں حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؓ کو لکھا کہ مسجد نبوی نئے سرے سے تعمیر کی جائے، اور اوس کے پاس ازواج مطہرات کے جو حجرے اور دوسرے مکانات ہیں، وہ بقیمت لے کر مسجد میں شامل کر لئے جائیں، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی،

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؓ نے مسجد کو شہید کرانا شروع کیا تو اکثر فقہاے مدینہ مثلاً قاسم، سالم، ابوبکر بن عبدالرحمٰن وغیرہ ساتھ تھے، ان بزرگوں نے مسجد کی داغ بیل ڈالی، اور اُس کی بنیاد قائم کی،

---

[1] طبری ص ۱۱۸۳ و طبقات ابن سعد ص ۲۴۵ و ص ۲۴۶،

صفر ۸۸ھ میں تعمیر کا کام شروع ہوا اور اسی وقت ولید نے شاہ روم کو لکھا کہ کہ ہم اپنے پیغمبر کی مسجد تعمیر کر رہے ہیں، ہم کو مدد دو، چنانچہ شاہ روم نے لاکھ مثقال سونا سو مزدور اور چالیس بورے فسیفسا کے بھیجے اور حکم دیا کہ مداین کے کھنڈروں میں فسیفسا تلاش کیجائے[1]، چنانچہ جب یہ مسالہ مہیا ہو گیا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اس اہتمام کے ساتھ مسجد کی تعمیر کا کام شروع کروایا کہ جب کوئی کاریگر فسیفسا کا ایک بڑا درخت بناتا تھا تو اس کو ۳۰ درہم بطور انعام کے دیتے تھے[2]،

مسجد نبوی میں اگرچہ مختلف قسم کے تغیرات ہو چکے تھے، لیکن کنگرہ اور محراب کی طرف ابتک کسی کا خیال رجوع نہیں ہوا تھا، اس کی ایجاد کا شرف صرف حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو حاصل ہوا، چنانچہ اُنھوں نے مسجد کے چاروں کنارے محراب قائم کروائی اور پرنالے وغیرہ سیسے کے بنوائے[3]،

تعمیر کا کام ۸۸ھ میں شروع ہوا تھا اور ۹۰ھ میں ختم ہوا، اس کے بعد ۹۱ھ میں ولید نے حج اور حج کے ساتھ مسجد کا معائنہ کرنا چاہا، چنانچہ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے اکابر مدینہ کو ساتھ لے کر نہایت شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا[4]، ولید نے مسجد میں جا کر ہر طرف گھوم گھوم کے دیکھنا شروع کیا، مسجد کے مقصورہ کی چھت پر نظر پڑی تو اُس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے کہا کہ تمام چھتیں اسی وضع کی کیوں نہیں بنوائیں؟ بولے "صرف زیادہ پڑتا، صرف قبلہ کی دیوار اور دونوں چھتوں کے درمیان ۴۵ ہزار دینار صرف ہوئے[5]"،

---

[1] طبری ص ۱۱۹۳، ۱۱۹۴ [2] خلاصۃ الوفا ص ۱۳۹ [3] ایضاً ص ۱۳۰ [4] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۴۰، طبری ص ۱۲۳۲ میں اس استقبال کی پوری تفصیل لکھی ہے [5] خلاصۃ الوفا ص ۱۳۱،

فوارہ | ولید کے ایماء سے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے مسجد کے ساتھ ساتھ ایک فوارہ بھی تعمیر کرایا چنانچہ ولید نے حج کیا تو فوارہ اور مخزن آب کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا، اور اس کے لئے بہت سے ملازم رکھے اور حکم دیا کہ اہل مسجد کو اس سے پانی پلایا جائے[۱]،

تعمیر مساجد اطراف مدینہ | حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے مسجد نبوی کو نئے سرے سے تعمیر کروایا تو اطراف مدینہ کی جن جن مسجدوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی، اُن کی طرف بھی توجہ کی اور اُن کو منقش پتھروں سے تعمیر کرایا[۲]،

تعمیر چاہ و ہمواری راہ | اسی سال ولید نے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ اور دوسرے عمال کو لکھا کہ مدینہ اور عموماً دوسرے شہروں میں بہ کثرت کنویں کھدوائے جائیں، اور پہاڑوں کے دشوار گذار راستے ہموار کئے جائیں[۳]،

امیر الحج کی خدمت انجام دینا | اسلام میں پالٹیکس اور مذہب چونکہ ہمیشہ سے شیر وشکر رہے، اس لئے خلفائے راشدینؓ ہی کے زمانہ سے یہ رسم قائم ہو گئی تھی کہ خود خلفاء ایام حج میں امیر الحاج بنتے تھے، اور لوگوں کو اپنے ساتھ حج کراتے تھے، حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے بھی اپنے زمانہ گورنری میں یہ مقدس خدمت متعدد بار انجام دی، چنانچہ یعقوبی نے ان تمام سالوں کی تصریح کی ہے جن میں اُنھوں نے لوگوں کو اپنے ساتھ حج کرایا[۴]،

معزولی | حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے ۸۶ھ سے لے کر ۹۳ھ تک گورنری کی، اور مدینہ کے ساتھ مکہ اور طائف بھی اون کے زیر حکومت رہے، لیکن آخر کار ۹۳ھ میں ان کو اس عہدہ سے الگ ہونا پڑا، تاریخ طبری میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے ولید کو ایک خط لکھا جس میں حجاج کے مظالم کی شکایت کی، حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے جل کر ولید

---

[۱] طبری ص ۱۱۹۶ [۲] فتح الباری جلد اول ص ۴۶۷ [۳] طبری ص ۱۱۹۶ [۴] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۴۶ [۵] طبری ص ۱۲۵۴،

کو ایک خط لکھا کہ عراق سے بہت سے مفسدہ پرداز لوگ جلاوطن ہوکر مکہ اور مدینہ میں آباد ہو گئے ہیں جو ایک قسم کی سیاسی کمزوری ہے، ولید نے لکھا کہ مجھے دو شخصوں کے نام بتاؤ جو مدینہ اور مکہ کی گورنری کر سکیں، حجاج نے خالد بن عبد اللہ اور عثمان بن حیان کے نام لکھ بھیجے اور ولید نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو معزول کر کے خالد کو مکہ کا اور عثمان کو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا۔[1]

لیکن سیرت عمر بن عبد العزیز میں لکھا ہے کہ ۹۳؁ھ میں ولید نے حضرت عمر بن عبد العزیز[2] کو لکھا کہ خبیب کو سزا دیں، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اگرچہ اس حکم کی تعمیل کی اور ان کو سو کوڑے لگوائے، قید خانہ میں محبوس رکھا، اور ان کے جسم پر ٹھنڈا پانی چھڑکوایا، تاہم اس قسم کی سفاکیاں اون کی فطرت کے بالکل مخالف تھیں، چنانچہ جب ان سزاؤں کے بھگت لینے کے بعد لوگ اون کو لے گئے اور وہ گھر جاکر مر گئے تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ماجشون کو بھیجا کہ جاکر اون کی حالت دریافت کر آئیں، وہ آئے تو لوگوں نے اُن کے چہرے سے چادر اُلٹ دی اور انھوں نے اُن کو مردہ پایا، پلٹے تو اُن کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز پریشانی میں کبھی اوٹھتے تھے کبھی کھڑے ہوجاتے تھے، اُنھوں نے انتقال کی خبر سنائی، تو وہ زمین پر گر پڑے اور انا للہ پڑھتے ہوئے اُٹھے اور گورنری سے استعفا دیدیا۔[2]

[1] طبری ص ۱۲۵۴ [2] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۳۴، ۳۵،
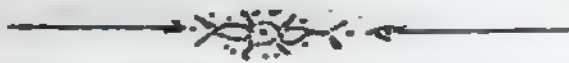
خلافت

اگرچہ تمام خاندان بنو امیہ مہمات امور میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی طرف رجوع کرتا تھا[1] لیکن سلیمان بن عبد الملک کو اُن پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس نے ان کو گویا اپنا وزیر بنایا تھا[2] اس بنا پر اُس کے بعد جو لوگ خلافت کے مستحق ہو سکتے تھے اُن میں ایک حضرت عمر بن عبد العزیز بھی تھے، چنانچہ جب عہد نامۂ خلافت پر سلیمان بن عبد الملک نے گمنام طریقہ سے بیعت لی تو خود حضرت عمر بن عبد العزیز کو خیال پیدا ہوا کہ قرعۂ فال کہیں اون کے نام تو نہیں پڑا؟ آخر کار اون کا یہ خیال صحیح نکلا، چنانچہ سلیمان بن عبد الملک جب مقام وابق میں جو فوج کا اجتماع گاہ تھا، ۹۹ھ میں بیمار ہوا اور اس کو زیست سے مایوسی ہوئی تو اُس نے پہلے اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ایک وصیت نامہ کے ذریعہ سے اپنا ولی عہد مقرر کیا، لیکن رجاء بن حیوٰۃ نے اس سے اختلاف کیا[3] کہ خلیفہ کا سب سے زیادہ قابل یادگار کارنامہ یہ ہے کہ وہ صالح شخص کو اپنا جانشین بنائے، یہ سن کر سلیمان نے کہا کہ "ابھی میں نے عزم مصمم نہیں کیا ہے، اس پر غور کروں گا" چنانچہ اوس نے دو ایک روز کے بعد اس وصیت نامہ کو چاک کر دیا، اور رجاء بن حیوٰۃ کو بلا کر پوچھا کہ داؤد بن سلیمان کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ داؤد اس وقت قسطنطنیہ میں تھے، رجاء نے کہا آپ کو کیا معلوم ہے کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۲۲ [2] حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۱۱ و تاریخ الخلفاء تذکرہ سلیمان بن عبد الملک [3] سیرۃ ابن عبد الحکم ص ۲۹ میں ہے کہ سلیمان بن عبد الملک سے پہلے ہی ایوب کا انتقال ہو چکا تھا، اور اُن کے علاوہ اسکے تمام لڑکے چھوٹے اور قابل بیعت نہ تھے،

سلیمان نے کہا تو پھر تمھاری نگاہ کس پر پڑتی ہے؟ بولے آپ نام لیجئے میں اُس پر غور کرونگا، سلیمان نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ رجار نے کہا کہ "وہ نہایت برگزیدہ مسلمان ہیں" سلیمان بولا، میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن اگر میں ان کو خلیفہ مقرر کر دوں، اور عبدالملک کی اولاد کا بالکل لحاظ نہ کروں تو ایک فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا، اور جب تک میں ان میں کسی کو ان کے بعد ولی عہد نہ بنالوں وہ لوگ ان کی خلافت کو تسلیم نہ کریں گے، اس لئے یزید ابن عبدالملک کو اُن کے بعد ولی عہد بناتا ہوں، میرا یہ طرز عمل انکو تسکین دیدیگا،

رجار نے بھی اس سے اتفاق کیا، اور سلیمان نے خود اپنے ہاتھ سے عہد خلافت لکھا، اور اُس کو مہر بند کر کے کعب بن جابر افسر پولیس کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے تمام خاندان کو ایک جگہ مجتمع کریں، وہ لوگ جمع ہوئے تو اُس عہد نامہ کو رجار کے حوالہ کیا اور کہا کہ یہ میری تحریر ہے، اون کو حکم دو کہ جس کو میں نے خلیفہ مقرر کیا ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت کریں، رجا نے اون کو خلیفہ کا یہ حکم سنایا تو سب نے سمعنا واطعنا کہا اور پوچھا کہ کیا ہم خلیفہ کے پاس جا کر سلام عرض کر سکتے ہیں؟ رجار نے کہا ہاں، چنانچہ جب وہ لوگ اندر گئے تو سلیمان نے رجا کے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ میرا وصیت نامہ ہے، جس کو میں نے خلیفہ مقرر کیا ہے اُس کے ہاتھ پر بیعت کرو، اور اُس کے فرماں بردار بنو، اس پر سب نے الگ الگ بیعت کی، چونکہ یہ بیعت گمنام تھی، اس لئے جب تمام خاندان کے لوگ ہٹ گئے تو مستحقین خلافت مثلاً ہشام بن عبدالملک اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے متعلق سوال کیا،[1] لیکن رجار نے

---

[1] لیکن اس کے معنی یہ نہ تھے کہ وہ اس مژدہ کو سننا چاہتے تھے، بلکہ سیرۃ ابن حکم ص۳ میں ہے کہ اُنھوں نے رجا ابن حیوۃ کو قسم دلا کر کہا تھا کہ اگر ولیعہدی کے متعلق سلیمان بن عبدالملک میرا نام لے تو تم روک دینا، اور اگر میرا نام نہ آئے تو تم میرا نام نہ لینا،

اس تحریر کو بالکل صیغہ راز میں رکھا، اور کسی کو اس کے ایک حرف سے بھی اطلاع نہ دی، اس کے تین دن بعد سلیمان نے انتقال کیا، لیکن رجار نے نہایت اہتمام کے ساتھ اس کی موت کو چھپایا، اور دروازے پر نہایت معتبر اشخاص کو بٹھادیا، کہ کوئی شخص لاش تک نہ جانے پائے اور دوبارہ تمام خاندان بنو امیہ کو مسجد وابق میں جمع کیا اور نئے سرے سے بیعت لینا چاہی لیکن ان لوگوں نے کہا کہ جب ہم ایک بار بیعت کر چکے ہیں تو کیا دوبارہ پھر بیعت کریں، رجار نے کہا کہ یہ امیر المومنین (سلیمان) ہیں ان کا جو فرمان ہے اور جس کو انھوں نے خلافت کے لئے انتخاب کیا ہے اس کے لئے بیعت کرو، سب نے پھر ایک ایک کرکے بیعت کی، اب جب کہ رجا کو یقین ہوگیا کہ معاہدہ بیعت مستحکم ہوگیا تو انھوں نے وصیت نامہ کا مضمون پڑھ کر سنایا اور سلیمان کی موت کی خبر دی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا نام آیا تو ہشام بن عبد الملک نے کہا کہ "ہم اون کے ہاتھ پر قیامت تک بیعت نہیں کرسکتے بولے کہ "خدا کی قسم اٹھو اور بیعت کرو ورنہ تمھارا سر قلم کردوں گا،، اس کے بعد رجار نے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر کھڑا کردیا، اور انھوں نے اس بار عظیم پر اور ہشام نے اپنی ناکامی پر (انا للہ) پڑھا،

ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد سلیمان بن عبد الملک کی تجہیز وتکفین کا سامان کیا گیا، اور خود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور خود اس کو قبر میں اتارا، تجہیز وتکفین سے فارغ ہونے کے بعد تمام شاہی سواریاں، جس میں خچر اور ترکی گھوڑے وغیرہ تھے، حاضر کئے گئے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ "میرا خچر میرے لئے کافی ہے،، یہ کہہ کر ان کو واپس کردیا، افسر پولیس نیزہ لے کر آگے آگے چلا تو اس کو ہٹادیا، اور کہا کہ "میں بھی تمام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں،،

سیرۃ ابن عبد الحکم (ص۳۵) میں ہے کہ جب اون کے سامنے سواریاں پیش کی گئیں تو انھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ان پر ابتک سواری نہیں کی گئی ہی، جب کوئی شخص خلیفہ ہوتا ہی تو سب سے پہلے وہ ان پر سوار ہوتا ہے، لیکن انھوں نے اپنا خچر طلب کیا، اور اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ ان کو بیت المال میں داخل کردو، اسی طرح ان کے لئے خیمے نصب کئے گئے، انھوں نے اُن کے متعلق بھی یہی سوال کیا، تو معلوم ہوا کہ یہ وہ خیمے ہیں جن میں ابتک کسی نے قیام نہیں کیا ہے، ان میں صرف وہ شخص قیام کرتا ہے جو خلیفہ ہوتا ہی، انھوں نے مزاحم کو ان کے متعلق بھی یہی حکم دیا کہ بیت المال میں داخل کردو، پھر خچر پر سوار ہوکر آئے تو وہ فرش فروش ملے جن پر صرف وہ شخص بیٹھتا تھا جو خلیفہ ہوتا تھا، لیکن وہ ان کو مسلتے ہوئے چٹائی تک پہنچے اور مزاحم سے کہا کہ ان کو بیت المال میں داخل کردو،

خلفاے بنو امیہ کے یہاں دستور تھا کہ جب خلیفہ مرجاتا تھا تو اسکے استعمالی کپڑے اور خوشبوئیں اسکی اولاد کو ملتی تھیں اور غیر استعمالی کپڑوں اور خوشبوؤں کا مالک خلیفہ ہوتا تھا، اسی طریقے کے مطابق سلیمان بن عبد الملک کے لڑکوں نے ان چیزوں کو تقسیم کرنا چاہا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ یہ نہ میری ہیں نہ سلیمان کی اور نہ تمھاری، یہ کہہ کر مزاحم کو حکم دیا کہ ان سب کو بیت المال میں داخل کردو، (سیرت ابن عبد الحکم ص۳۶)

واپسی کے وقت لوگوں کو خیال ہوا کہ قصر خلافت میں نزول اجلال ہوگا، لیکن چونکہ اسمیں سلیمان کے اہل وعیال تھے، اس لئے اپنے ہی خیمہ میں اُترے اور کہا کہ "میرا خیمہ میرے لئے کافی ہے"، اندر داخل ہوئے، اور لونڈی نے ان کے بشرے کو دیکھ کر کہا کہ "آپ شاید متردد ہیں"، بولے کہ "یہ تشویشناک بات ہی ہے، مشرق ومغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ واطلاع اسکا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو"، اس کے بعد

مسجد میں آئے اور منبر پر کھڑے ہوکر ایک خطبہ دیا جس کا خلاصہ یہ ہے،

لوگو! مجھ پر خلافت کا بار بغیر اس کے کہ مجھ سے رائے لیجاتی یا میں اس کا خواستگار ہوتا یا عام مسلمانوں سے مشورہ لیا جاتا ڈال دیا گیا، میری بیعت کا جو قلادہ تمھاری گردنوں میں ہے میں اسکو خود نکال لیتا ہوں، اب جس کو پسند کرو اپنا خلیفہ مقرر کرو،

اس خطبہ کو سن کر تمام لوگوں نے بآواز بلند کہا کہ ہم نے آپ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا، اور آپ کی خلافت پر راضی ہوئے، جب یہ ہنگامہ فرو ہوا تو انھوں نے حمد و نعت کے بعد ایک مفصل تقریر کی جس میں لوگوں کو تقویٰ، فکر آخرت اور تذکر موت کی طرف توجہ دلائی، اور آخر میں بآواز بلند فرمایا کہ

لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے، اسکی اطاعت واجب ہے، اور جو شخص اس کی نافرمانی کرے اسکی فرماں برداری جائز نہیں، جب تک میں خدا کی اطاعت کروں میری اطاعت کرو، اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میری فرماں برداری تم پر فرض نہیں ہے

یہ سب کچھ ہوچکا، لیکن عبدالعزیز بن ولید کو اب تک حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خلافت اور بیعت کا حال معلوم نہیں تھا، اس لئے جب اوس کو سلیمان بن عبدالملک کی موت کا حال معلوم ہوا تو اپنے ہمراہیوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی، اور ان سے بیعت لے کر دمشق کا رخ کیا کہ وہاں بھی چل کر لوگوں سے بیعت لے، دمشق پہنچا تو معلوم ہوا کہ خود سلیمان کی وصیت کے موافق لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خلافت پر بیعت کرلی ہے، اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے اس کے متعلق استفسار کیا، اس نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ لاعلمی میں ہوا، مجھ کو یہ معلوم نہ تھا کہ خود سلیمان نے کسی کو خلیفہ مقرر کیا ہے، اسلئے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ لوگ مال و دولت کو لوٹ نہ لیں، اس خیال سے میں نے

اپنے ہاتھ پر بیعت لی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ "اگر لوگ تمھارے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور تم امور خلافت کو سنبھال لیتے تو میں تم سے بالکل اختلاف نہ کرتا، اور اپنے گھر میں بیٹھ رہتا" اب عبد العزیز نے یہ کہکر کہ "میں آپکے سوا کسی کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا، انکے ہاتھ پر بیعت کر لی"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان تمام مراحل کے بعد امور خلافت کی طرف توجہ کی، ایک کاتب بلوایا اور نہایت مختصر الفاظ میں ایک فرمان لکھواکر تمام ممالک محروسہ میں بھیجا، قسطنطنیہ میں جو فوج مقیم تھی، وہ رسد کی کمی سے بالکل فاقہ مست ہو رہی تھی، اس کے لئے غلہ روانہ کیا، اور اس کو واپس بلا لیا، سلیمان بن عبد الملک نے عام حکم دیا تھا کہ ہر جگہ سے گھوڑے جمع کر کے باہم گھوڑدوڑ کرائی جائے، ابھی گھوڑ دوڑ کا زمانہ نہیں آیا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اگرچہ بذات خود اس کو ناپسند فرماتے تھے تاہم لوگوں نے سفارش کی کہ تمام لوگ دور دور سے تکلیف اٹھا کر گھوڑے لائے ہیں، اس لئے گھوڑ دوڑ کی اجازت دی، اور جن لوگوں کے ہاتھ میدان رہا اون کو انعام دلوائے،

مختلف شہروں میں عمال و قضاۃ مقرر فرمائے، جن کے نام طبقات ابن سعد میں بتفصیل مذکور ہیں[1]،

---

[1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ اور سیرۃ عمر بن عبد العزیز باب دوازدہم سے ماخوذ ہے،

اموال مغصوبہ کی واپسی

خلفائے بنو امیہ نے رعایا کے مال و جائداد پر جو ظالمانہ قبضہ کر لیا تھا، ان کا واپس دلانا ایک مجدد و خلافت اسلامیہ کا سب سے مقدم فرض تھا، اور تائید ایزدی نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز سے سب سے پہلے یہی خدمت انجام دلائی، وہ جب سلیمان بن عبدالملک کی تجہیز و تکفین اور خلافت کے ابتدائی مراحل کو طے کر کے مکان پر واپس آئے تو قیلولہ کرنا چاہا، لیکن اسی حالت میں ان کے صاحبزادے عبدالملک نے آکر کہا کہ "آپ اموال مغصوبہ کی واپسی سے پہلے سونا چاہتے ہیں، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے عذر کیا کہ میں نے سلیمان کی تجہیز و تکفین میں شب بیداری کی ہے، اس لئے نماز ظہر کے بعد یہ خدمت انجام دونگا، لیکن عبدالملک نے کہا کہ ظہر کے وقت تک آپ کی زندگی کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز پر اس فقرہ کا اس قدر اثر ہوا کہ ان کو پاس بلا کر لپٹا لیا اور اُن کی پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا کہ "اُس خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو ایک ایسی اولاد دی جو مجھ کو مذہبی کاموں میں مدد دیتی ہے،" اب قیلولہ کا خیال خواب فراموش ہو گیا، اور فوراً اُٹھ کر منادی کرائی کہ لوگ اموال مغصوبہ کے متعلق اپنی اپنی شکایتیں پیش کریں[1]،

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؓ نے میمون بن مہران، مکحول، اور ابو قلابہ سے اس معاملہ میں مشورہ کیا، تو مکحول نے دبی زبان سے اپنی رائے ظاہر کی جس کو حضرت

[1] سیرۃ عمرؓ بن عبدالعزیز ص۵۳،

عمرؓ بن عبد العزیز نے ناپسند فرما کر میمون بن مہران کے چہرے کی طرف دیکھا، میمون نے کہا کہ اپنے صاحبزادے عبد الملک کو بھی طلب فرما لیجئے، وہ ہم لوگوں سے کم صائب الرائے نہیں ہیں،، عبد الملک آئے، تو ان سے پوچھا کہ لوگ اموال مغصوبہ کا مطالبہ کر رہے ہیں، اس کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ بولے، آپ ان کو فوراً واپس کر دیجئے، ورنہ جن لوگوں نے ان پر غاصبانہ طریقہ سے قبضہ کیا ہے، آپ بھی اُن کے شریک کار ہونگے؛ اب حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کی جائدادیں واپس دلانا شروع کیں، چونکہ خود بھی خاندان بنو امیہ کے رکن تھے، اس لئے سب سے پہلے اپنی ذات اور اپنے خاندان سے ابتدا کی، اور جاگیروں کی جو سندیں تھیں، ان کی نسبت اپنے مولیٰ مزاحم کو حکم دیا کہ وہ پڑھ پڑھ کر سناتے جائیں، وہ ان سندوں کو پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ ان کو مقراض سے کترتے جاتے تھے، اون کی یہ جاگیریں عرب کے مختلف حصوں مثلاً یمن اور یمامہ وغیرہ میں پھیلی ہوئی تھیں، حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ ان سب سے دست بردار ہو گئے، یہانتک کہ ایک انگوٹھی کا نگینہ جو اُن کو ولید نے دیا تھا، اس کو بھی واپس کر دیا، مزاحم سے یہ دیکھا نہ گیا، اور بولے کہ اولاد کی معاش کا کیا سامان ہوگا؟ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ کے رخساروں پر آنسو جاری ہو گئے، وہ بولے کہ "ان کو خدا پر چھوڑتا ہوں،، اپنے اور اپنے اہل وعیال کے مصارف کے لئے صرف خیبر اور ایک نہر کو محفوظ رکھا، جس کو اُنھوں نے اپنے عطیہ کی آمدنی سے کھدوایا تھا، اور جس کا سالانہ منافع کم وبیش ۱۵۰ دینار تھا، لیکن جب خیبر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک تمام مسلمانوں کا عام حق تھا، لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنے عہد خلافت میں مروان کی جاگیر میں دیدیا تھا، جو وراثتہً بعد وراثتہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ کے قبضہ میں آیا، تو اس کو بھی واپس کر دیا، اور صرف نہر کو باقی رکھا،

سب سے زیادہ اہم معاملہ باغ فدک کا تھا، جو اس وقت ان کے قبضہ میں تھا، ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو اُن کی اور ان کے اہل و عیال کی معاش کا تمام تر دار و مدار صرف فدک پر تھا، جس کی سالانہ آمدنی ۱۰ ہزار دینار تھی، لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی انھوں نے فدک کے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور خلفاے راشدینؓ کے طرز عمل کا پتہ لگانا شروع کیا، جب انکشاف حقیقت ہوا تو عام مروانی خاندان کو جمع کر کے کہا کہ فدک خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھا جس کی آمدنی آپ اپنی اور بنو ہاشم کی مختلف ضروریات میں صرف کرتے تھے، حضرت فاطمہؓ نے آپؐ سے اُس کو مانگا تھا، لیکن آپؐ نے انکار فرما دیا تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ تک اسی کے موافق عمل ہوتا رہا، لیکن اخیر میں مروان نے اس کو اپنی جاگیر میں داخل کر لیا، اس کے بعد وہ میرے قبضہ میں آیا، لیکن جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو نہیں دی اس میں میرا کوئی حق نہیں ہے، اور میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو حالت عہد رسالت میں تھی اوس کو اسی طرف لوٹاتا ہوں[1]، چنانچہ اس کے متعلق ابوبکر ابن محمد بن عمرو بن حزم کو ایک خط لکھا کہ مجھے تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ فدک سے فائدہ اٹھانا میرے لئے جائز نہیں، اس لئے میں اس کو اسی حالت پر لانا چاہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدینؓ کے زمانے میں تھی، جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو اس کو ایک ایسے شخص کے قبضہ میں دیجئے، جو تمام حقوق کی محافظت کے ساتھ اس کی نگرانی کرے،

اُن کی بی بی فاطمہ کی ایک لونڈی تھی، جس پر وہ قبل خلافت فریفتہ تھے، خلافت

---

[1] ابو داؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاموال و طبقات ابن سعد و سیرۃ عمر بن عبد العزیز کے انیسویں باب میں یہ تمام تفصیل ہے، طبقات میں جس طرح فدک حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے قبضہ میں آیا، اسکی تفصیلی تاریخ بھی لکھی ہے،

کے بعد وہ ایک دن بن سنور کران کے سامنے آئی، تو انھوں نے پوچھا کہ تم فاطمہ کی ملک میں کیونکر آئیں؟ بولی کہ حجاج نے کوفہ کے ایک عامل پرتاوان لگایا تھا، اور میں اس کی مملوکہ تھی، حجاج نے مجھے انتخاب کیا اور عبدالملک بن مروان کے پاس بھیجدیا، میں اس وقت بالکل بچہ تھی، اس لئے عبدالملک نے مجھے اپنی لڑکی فاطمہ کو دیدیا، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے پوچھا کہ وہ عامل کیا ہوا، بولی کہ "مرگیا، البتہ اس کی اولاد موجود ہے جن کا حال نہایت بُرا ہے، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے فوراً ان کو طلب کرکے ان کا تمام مال مع اُس لونڈی کے واپس کر دیا، لونڈی چلنے لگی تو بولی کہ آپ کا عشق کیا ہوا؟ بولے کہ وہ ابتک ہے بلکہ اور بڑھ گیا ہے[۱]،

فاطمہ کے پاس ایک نہایت قیمتی جواہر تھا، جس کو عبدالملک نے دیا تھا، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے اُن سے کہا کہ تم کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو اُس کو واپس کر دیا مجھ سے علٰحدہ ہو جاؤ"، اُنھوں نے کہا کہ میں آپ کو اُس پر اور اس سے کئی گنے بیش قیمت جواہرات پر ترجیح دیتی ہوں"، چنانچہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا، اُن کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو اُس نے اُس جواہر کو پھر فاطمہ کو دینا چاہا، مگر انھوں نے انکار کر دیا[۲]،

عنبسہ بن سعید بن العاص ان کے ایک دوست تھے، جن کو سلیمان بن عبدالملک نے ۲۰ ہزار دینار کے دلوانے کا حکم دیا تھا، اور تمام دفتری کارروائی مکمل ہو چکی تھی کہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو وہ ان کے پاس آئے، اور اپنے دوستانہ تعلقات کی بناء پر اس کا مطالبہ کیا، لیکن اُنھوں نے کہا کہ ۲۰ ہزار دینار تو مسلمانوں کے چار ہزار گھروں کے لئے کافی ہو سکتے ہیں، میں صرف ایک آدمی کو کیونکر دلوا دوں؟ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کی جاگیر میں جبل الورس ایک پہاڑ تھا، اُنھوں نے طنزاً کہا

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۵۶، [۲] ایضاً صفحہ ۱۰۶،

کہ پھر جبل الورس کو خود کیوں لیتے ہو" بولے تمہارے طعنے نے مجھ کو یاد دلایا، ورنہ میں اس کو بھول گیا تھا، اس کے بعد عبدالعزیز کی جاگیر کی تمام دستاویزوں کو منگوا کر چاک کر دیا،[1]

اس کے بعد عام طور پر لوگوں کے اموال مغصوبہ واپس دلائے، ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ سے لے کر ان کے زمانہ تک جو جائدادیں غصب کر لی گئی تھیں انھوں نے سب واپس دلا دیں، اور یہ سلسلہ تا دم مرگ قائم رہا، حقوق کی واپسی کے لئے کسی قطعی شہادت یا حجت کی ضرورت نہ تھی، بلکہ جو شخص دعویٰ کرتا تھا معمولی سے معمولی ثبوت پر اس کا مال واپس مل جاتا تھا،[2] ایک بار بدوؤں نے دعویٰ کیا کہ انھوں نے ایک قطعۂ زمین آباد کیا تھا جس کو عبدالملک نے اپنی بعض اولاد کو دیدیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زمین خدا کی زمین ہے، اور بندے خدا کے بندے ہیں، جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اس کا مستحق ہے،" یہ کہہ کر زمین بدوؤں کو واپس دلا دی،[3]

ان ذاتی سرگرمیوں کے ساتھ امراء و عمال کو ہدایتیں بھیجتے رہتے تھے، کہ وہ اسی مستعدی کے ساتھ اموال مغصوبہ کو واپس دلائیں، ابوالزناد کا بیان ہے کہ عراق میں ہم کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا کہ ہم اہل حقوق کے حقوق واپس دلا دیں، چنانچہ ہم نے اس کام کو شروع کیا تو عراق کا بیت المال بالکل خالی ہو گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو شام سے روپیہ بھیجنا پڑا، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی کوئی تحریر ایسی نہیں آتی تھی جس میں اموال مغصوبہ کی واپسی، احیائے سنت، اماتت بدعت، یا تقسیم و تقرری عطیہ کی ہدایت درج نہ ہو، ایک بار ان کو لکھ بھیجا کہ دفتروں کا جائزہ لیں اور قدیم عمال نے کسی مسلمان یا ذمی پر ظلم کیا ہو، تو اس کا مال واپس کر دیں، اور اگر وہ خود زندہ

---

[1] سیرت ابن عبدالحکم صفحہ ۵۶-۵۷ [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۲۵۲ [3] سیرت عمر ابن عبدالعزیز صفحہ ۱۰۴،

نہ ہو تو اس کے ورثہ کو دیدیں[۱]،

جو عمال اُن کے اس حکم میں لیت ولعل کرتے تھے اُن سے بہت ناراض ہوتے تھے، عروہ یمن کے عامل تھے، ایک بار اُنھوں نے اس معاملہ میں لیت ولعل کی تو ان کو لکھا کہ میں تم کو لکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اموال مغصوبہ واپس کردو اور تم اس کے متعلق مجھ سے سوال وجواب کرتے ہو، تمھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ میرے اور تمھارے درمیان کس قدر بعد مسافت ہے اور تم کو اپنی موت کے وقت کی بھی خبر نہیں، اگر میں تم کو لکھتا ہوں کہ ایک مسلمان کی غصب شدہ بکری واپس کردو تو تم لکھتے ہو کہ وہ بھوری ہو یا سیاہ، مسلمانوں کا مال واپس کرو اور مجھ سے اس معاملہ میں خط وکتابت نہ کرو[۲]"

بعض عمال جوان کی طرف سے مقرر ہو کر جاتے تھے وہ خود اطلاع دیتے تھے کہ ہم سے پہلے جو عمال تھے، اونھوں نے بجبر خدا کا مال غصب کر لیا تھا، اگر امیر المومنین کا ارشاد ہو تو یہ مال اُن سے بجبر ضبط کر لیا جائے، حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ اُن کو حکم لکھوا دیتے تھے کہ اس معاملہ میں مجھ سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں، اگر شہادت ہو تو شہادت کی رو سے اور اقرار ہو تو اقرار کے رو سے مال واپس لو، ورنہ حلف لے کر چھوڑ دو، عدی بن ارطاۃ اور عبد الحمید کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا[۳]،

بیت المال سے جو رقمیں واپس دلاتے تھے اون کے متعلق پہلے یہ حکم دیا تھا کہ جب سے وہ بیت المال میں داخل ہیں اسی وقت سے ان کی زکوۃ وصول کیجائے، لیکن بعد کو یہ حکم منسوخ کر دیا، اور صرف ایک سال کی زکوۃ لی[۴]،

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۵۲ [۲] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۹۰، [۳] ایضاً ص ۸۱،
[۴] طبقات تذکرہ عمر بن عبد العزیز ص ۲۵۲،

اموال مغصوبہ کی واپسی کا اثر خاندان بنوامیہ پر

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے اس طرز عمل کا اثر مختلف لوگوں پر مختلف پڑا، خوارج کے فرقہ نے جو ہمیشہ خلفار کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کرتا رہتا تھا، اس عدل وانصاف کا حال سنا تو سب نے مجتمع ہو کر صاف کہدیا کہ اب اس شخص سے جنگ کرنا ہمارے لئے مناسب نہیں[1]، لیکن تمام خاندان بنوامیہ دفعۃً برہم ہوگیا، اولاً تو ذاتی جائداد کا ہاتھ سے نکل جانا خود اشتعال کا سبب ہوسکتا تھا، اس کے ساتھ قدیم تفوق و امتیاز نے ان کے لئے مساوات کو بالکل خواب فراموش بنا دیا تھا، اس لئے انھوں نے اپنے آپ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ ایک سطح پر دوش بدوش کھڑا ہوا دیکھا تو ان کو اپنی سخت ذلت محسوس ہوئی، سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے اس طرز عمل سے ان لوگوں کو یقین ہوگیا تھا کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ سے پہلے خلفائے بنوامیہ نے جو روش اختیار کی تھی وہ شرعاً ناجائز اور عدل وانصاف کے مخالف تھی، اس لئے اس خاندان کو اپنے پورے سلسلہ کا دامن داغدار نظر آتا تھا، چنانچہ اس خاندان کے مختلف افراد نے مختلف طریقوں سے خود حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے سامنے اس کا اظہار کیا،

ایک دن حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے تمام مروانی خاندان کو جمع کر کے کہا کہ اے بنی مروان تم کو بہت سے حصے بہت سی عزتیں اور بہت سی دولت ملی تھی، اور میں خیال کرتا ہوں کہ تمام

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص۵۵،

امت کا نصف یا ثلث مال تمھارے قبضہ میں آگیا تھا"، سب نے یہ سنکر خاموشی اختیار کی، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ "جواب دو"، سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "جب تک ہمارا سر ہمارے دھڑ سے الگ نہ ہو جائے ہم نہ اپنے آباء و اجداد کی تکفیر کر سکتے، نہ اپنی اولاد کو محتاج بنا سکتے"، ایک دن حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ ہشام بن عبدالملک کے سامنے گذشتہ مظالم کا ذکر کر رہے تھے، ہشام بے اختیار بول اٹھا کہ خدا کی قسم ہم نہ اپنے آبا و اجداد پر عیب لگا سکتے، نہ اپنی قوم میں اپنی عزت کو برباد کر سکتے"

ایک دن حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے سامنے بہت سی لونڈیاں پیش کی جا رہی تھیں اتفاق سے عباس بن الولید بن عبدالملک بھی اس موقع پر موجود تھا اور جب کوئی دلفریب لونڈی سامنے سے گذرتی تھی تو کہتا تھا کہ اے امیرالمومنین اس کو خود لے لیجئے"، جب اس نے بار بار اس فقرے کا اعادہ کیا تو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کیا تم مجھے زنا کی ترغیب دیتے ہو؟ عباس وہاں سے اٹھا اور خاندان کے چند افراد سے کہا کہ "ایسے شخص کے دروازے پر کیوں بیٹھے ہو جو تمھارے آباء و اجداد کو زانی کہتا ہے،

ان اسباب سے تمام مروانی خاندان نے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے اس عادلانہ طرز عمل کو نہایت ناپسندیدگی کے ساتھ دیکھا اور اون کو مختلف طریقوں سے اس سے روکنا چاہا، عمر بن الولید بن عبدالملک نے اون کو ایک نہایت سخت خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے"

> تم نے گذشتہ خلفاء پر عیب لگایا ہے، اور ان کی اور اُن کی اولاد کی دشمنی سے ان کے خلاف روش اختیار کی ہے، تم نے قریش کی دولت اور ان کی میراث کو ظلم و عدوان سے بیت المال میں داخل کر کے قطع رحم کیا ہے، اے عبدالعزیز کے بیٹے خدا سے ڈرو اور اس کا خیال کرو کہ تم نے ظلم کیا ہے، تم نے منبر پر بیٹھنے کے ساتھ ہی اپنے خاندان کو ظلم و جور کے لئے مخصوص کر لیا ہے،

خدا کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی خصوصیات کے ساتھ مختص کیا تم اپنی اس حکومت میں جس کو تم مصیبت کہتے ہو خدا سے بہت دور ہو گئے، اپنی خواہشوں کو روکو اور یقین کرو کہ تم ایک جبار کے سامنے اور اس کے قبضہ میں ہو اور اس حالت پہ چھوڑے نہیں جا سکتے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اگرچہ سراپا حلم تھے تاہم اس معاملہ میں اُنھوں نے کسی قسم کی نرمی اختیار نہیں کی، اور اس کو نہایت سخت جواب لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے،

مجھے تمھارا خط ملا، اور جیسا تم نے لکھا ہے میں ویسا ہی جواب دوں گا، تمھاری ابتدائی حالت یہ ہے کہ تمھاری ماں بنانۃ سکون کی لونڈی ہے، جو حمص کے بازاروں میں ماری ماری پھرتی تھی اور شراب کی دوکانوں میں جایا کرتی تھی، اس کو ذبیان بن ذبیان نے مسلمانوں کے مال غنیمت سے خریدا اور تمھارے باپ کو ہدیۃً دیا، اُسی سے تم پیدا ہوئے، تو کس قدر بری ہے ماں، اور کس قدر برا ہے بچہ، اس کے بعد تم نشو و نما پاکر ایک معاند اور ظالم ہوئے تمھارا خیال ہے کہ میں ظالموں میں سے ہوں، میں نے تم کو اور تمھارے خاندان کو خدا کے مال سے جس میں اہل قربیٰ، مساکین، اور بیواؤں کا حق ہے محروم کر دیا، لیکن مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کو چھوڑ دینے والا وہ شخص ہے جس نے تم کو بچپن اور سفاہت کی حالت میں مسلمانوں کی ایک چھاؤنی کا افسر مقرر کیا، اور تم اپنی رائے کے موافق اُن کے معاملات کا فیصلہ کرتے رہے، اس تقرر کا بجز محبت پدری کے اور کوئی مقصد نہ تھا، پس پھٹکار ہو تجھ پر اور پھٹکار ہو تیرے باپ پر، قیامت کے دن تمھارے کس قدر مدعی ہوں گے، اور تمھارا باپ اپنے مدعیوں سے کیونکر نجات پائیگا،

مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کا چھوڑنے والا وہ شخص ہے، جس نے

حجاج کو عرب کے خمس پر مقرر کیا، جو حرام خون بہاتا تھا اور حرام مال لیتا تھا،

مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کا چھوڑنے والا وہ شخص ہے جس نے قرہ بن شریک جیسے اُجڈ بدو کو مصر کا عامل مقرر کیا، جس نے راگ باجہ، لہو ولعب اور شراب خوری کی اجازت دی، مجھ سے زیادہ ظالم اور خدا کے عہد کا چھوڑنے والا وہ شخص ہے جس نے عرب کے خمس میں عالیہ بربریہ کا حصہ مقرر کیا،

اگر مجھے فرصت ہوتی تو میں تجھ کو اور تیرے خاندان کو روشن راستے پر لاتا، ہم نے مدتوں سے حق کو چھوڑ دیا، اگر تم فروخت کئے جاؤ اور تمھاری قیمت یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں پر تقسیم کی جائے تو کافی نہ ہوگی، کیونکہ تم میں سب کا حق ہے، ہم پر سلام ہو، خدا کا سلام ظالموں کو نہیں پہونچتا "

ایک بار تمام خاندان نے اُن کی خدمت میں ہشام بن عبد الملک کو اپنا وکیل بنا کر روانہ کیا، ہشام نے آکر کہا کہ "اے امیر المومنین میں آپ کی خدمت میں آپ کے تمام خاندان کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں، اور اُن کے دل کی بات کہتا ہوں، وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنی زیر حکومت چیزوں سے متعلق اپنے طریقہ پر عمل کیجئے، لیکن اُن کے قدیم حقوق کو قائم رہنے دیجئے"، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ "اگر تمھارے سامنے ایک معاملہ کے متعلق دو دستاویز پیش کئے جائیں جنیں ایک معاویہؓ کا لکھا ہوا ہو اور ایک عبد الملک کا، تو تم دونوں میں سے کس پر عمل کروگے؟ ہشام نے کہا، جو مقدم ہوگا، اس پر عمل کریں گے"، اب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا تو میں کتاب اللہ کو سب سے مقدم پاتا ہوں، اور میں اسی پر ہر اُس شخص کو اور ہر اُس چیز کو جو میرے زیر حکومت ہے، یا میرے پہلے خلفاء کے زیر حکومت تھی، چلانے کی کوشش کرونگا"، اس پر سعید بن خالد بن عمر ابن عثمان نے کہا کہ جو چیزیں آپ کے زیر فرمان ہیں، ان پر حق و انصاف کے ساتھ حکومت کیجئے،

لیکن گذشتہ خلفار کی برائی یا بھلائی کو اپنے حال پر رہنے دیجئے، اور یہ آپ کے لئے کافی ہوگا"
حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ "اگر ایک شخص چند چھوٹے بڑے بچے چھوڑ کر مر جائے اور بڑے لڑکے، چھوٹے بچوں کی دولت خود صرف کر ڈالیں اور چھوٹے بچے تمھارے سامنے انکے طرز عمل کی شکایت کریں، تو تم کیا کرو گے"؟ خالدؔ نے کہا میں اون کے تمام حقوق واپس دلاؤنگا" حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا میرے نزدیک بہت سے خلفار اور ان کے اتباع نے لوگوں کے پر زبردستی کی، اور جب میں خلیفہ ہوا تو ان لوگوں نے مجھ سے دادرسی چاہی اور میں نے اس سوا کوئی تدبیر نہیں دیکھی کہ قوی سے لے کر ضعیف کو واپس دلاؤں"۔ خالدؔ اس موثر تقریر کو سنکر بول اُٹھا کہ "خدا امیر المومنین کو توفیق دے"۔

ایک بار تمام خاندان کے لوگ اون کے دروازے پر جمع ہوئے اور ان کے صاحبزادے عبد الملکؔ سے کہا کہ "یا تو ہمیں باریابی کی اجازت دلواؤ یا خود ہمارا پیغام امیر المومنین تک پہنچاؤ" اُنھوں نے پیغام پہنچانے پر ہامی بھری، تو سب نے کہا کہ اُن سے پہلے جو خلفار تھے وہ ہم کو عطیہ دیتے تھے اور ہمارے مراتب کا لحاظ رکھتے تھے لیکن تمھارے باپ نے ہم کو بالکل محروم کر دیا، اُنھوں نے جاکر یہ پیغام سنایا، تو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ جاکر کہدو کہ میرا باپ کہتا ہے کہ اگر میں اپنے خدا کی نافرمانی کروں تو قیامت کے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔

اب سب نے آخری تدبیر یہ کی کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کی پھوپھی کو ان کی خدمت میں بھیجا وہ آئیں تو کہا کہ "تمھارے قرابت دار شکایت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تم نے اُن سے غیر کی دی ہوئی روٹی چھین لی"، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ بولے کہ "میں نے اُن کا کوئی حق نہیں روکا"، وہ بولیں کہ "سب لوگ اس کے متعلق گفتگو کرتے ہیں، اور مجھے خوف ہے کہ تمھارے خلاف بغاوت نہ کر دیں"، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ "اگر میں قیامت کے سوا کسی دن سے ڈروں

تو خدا مجھے اُس کی بُرائیوں سے نہ بچائے " اس کے بعد ایک اشرفی، گوشت کا ایک ٹکڑا اور ایک انگیٹھی منگوائی، اور اشرفی کو آگ میں ڈال دیا، جب وہ خوب سرخ ہوگئی تو اسکو اُٹھاکر گوشت کے ٹکڑے پر رکھدیا جس سے وہ بھُن گیا، اب پھوپھی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اپنے بھتیجے کے لئے اس قسم کے عذاب سے پناہ نہیں مانگتیں ؟

دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ " اے پھوپھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کو ایک نہر پر چھوڑ دیا، پھر ایک شخص (ابو بکرؓ) اس نہر کا مالک ہوا، جس نے اُس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا، پھر ایک دوسرا شخص (عمرؓ) اُس نہر کا مالک ہوا اور اُس نے اُس سے ایک چھوٹی سی نہر نکالی، اس کے بعد اور لوگوں نے اس سے متعدد نہریں نکالیں، یہاں تک کہ اُس میں ایک قطرہ پانی نہ رہا اور وہ بالکل خشک ہوگئی، خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو تمام نہروں کو پاٹ کر پہلی نہر کو جاری کردونگا "

اگرچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ پر ان شورشوں اور ان سفارشوں کا کوئی اثر نہیں ہوا، تاہم انھوں نے مختلف اخلاقی طریقوں سے اپنے خاندان کی ناراضی کو کم کیا، ایک بار سلیمان ابن عبد الملک کا صاحبزادہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی جاگیر کی واپسی کا مطالبہ کیا اور آستین سے ایک تحریر نکالی جس کو حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے پڑھ کر کہا کہ یہ زمین کس کی تھی ؟ اُس نے کہا، " حجاج کی " بولے تو مسلمان اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، اس نے کہا اے امیر المومنین آپ میری دستاویز کو واپس دیجئے، بولے کہ " اگر تم خود اس کو نہ لائے ہوتے تو میں اس کو تم سے نہ مانگتا، لیکن اب جب کہ تم خود اس کو لائے تو میں تم کو اجازت نہ دونگا کہ بطریق باطل اس کے ذریعہ سے مطالبہ کرو " وہ یہ سن کر رو پڑا،

ایک دن چند مروانیوں کو اپنے یہاں روک رکھا اور باورچی سے کہدیا کہ کھانے میں

جلدی نہ کرنا، دن چڑھ گیا تو یہ لوگ بھوک سے بیتاب ہو گئے، اور باورچی سے کھانے کا تقاضا کیا، اُس نے اُن کو ستو اور کھجوریں کھلائیں، جب وہ لوگ ان چیزوں کو پیٹ بھر کے کھا چکے تو باورچی کھانا لایا، لیکن اُن لوگوں نے کھانے سے انکار کیا، حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے بار بار اصرار کیا، لیکن ان لوگوں نے کہا کہ اب ہم کھا ہی نہیں سکتے،، اب حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے کہا تو پھر آگ میں کیوں گھستے ہو ؟ یعنی جب اس قدر سادہ غذا انسان کے لئے کافی ہو سکتی ہے، تو وہ پیٹ بھرنے کے لئے ناجائز ذریعۂ معاش کیوں اختیار کرتا ہے، یہ کہہ کر خود روئے اور لوگوں کو بھی رُلایا،[1]

---

[1] یہ تمام واقعات سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ کے بیسویں باب میں مذکور ہیں، بعض واقعات طبقات ابن سعد میں بھی ہیں،
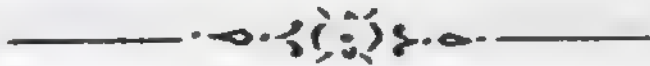
غزوات وفتوحات

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اگرچہ اسلام کی تاریخ میں بحیثیت ایک فاتح کے مشہور نہیں ہیں تاہم اُن کا عہد حکومت فوجی ہنگامہ آرائیوں سے بالکل خالی نہیں ہے، اُن کے زمانے میں جو لڑائیاں پیش آئیں ان کا سلسلہ ان کی خلافت کے ساتھ شروع ہوا اور ان کی وفات تک قائم رہا، روم کو سلیمان بن عبد الملک کے زمانے میں جو فوج بھیجی گئی تھی، وہ رسد کی کمی سے سخت مصیبت میں مبتلا تھی، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اس فاقہ مست فوج کی طرف نہایت مستعدی کے ساتھ توجہ کی' پانچسو عمدہ گھوڑے اور کافی غلہ روانہ کیا' اور تمام مسلمانوں کو فوجی اعانت کی طرف توجہ دلائی، اور مسلمہ بن عبد الملک کو تمام فوج کے ساتھ واپس بلالیا،[1]

اسی سال ترکوں نے آذربائجان پر حملہ کیا، اور بہت سے مسلمانوں کو قتل اور بہت سے مسلمانوں کو گرفتار کر لیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اس فتنہ کے انسداد کے لئے ابن حاتم ابن النعمان الباہلی کو روانہ کیا، اُنھوں نے جاکر ان کی جماعت کے اکثر افراد کو تہ تیغ کر دیا' اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی خدمت میں پچاس آدمیوں کو قید کرکے روانہ کیا،[2]

مغربی مہم یعنی اندلس وغیرہ کی طرف اُنھوں نے جو فوجیں روانہ کیں ان کے لئے نہایت کثرت سے سازوسامان مہیا کئے، چنانچہ ایک افسر فوج کو لکھا کہ "جب مغربی مہم پیش آئے

---

[1] طبری صفحہ ۱۳۴۶ وسیرۃ عمر بن عبد العزیزؓ صفحہ ۵۶ [2] طبری صفحہ ۱۳۴۶،

توکسی شخص کو وہاں جانے کی اس وقت تک اجازت نہ دو، جبتک وہ جماعت سازو سامان اور پیادہ و سوار سپاہیوں کی پشت پناہی سے قوت کا کافی سرمایہ فراہم نہ کرے تاکہ واپس آئیں تو صحیح وسلامت واپس آئیں، اور ہلاک ہوں تو سب ہوں[1]،

ہندوستان میں خلفائے بنو امیہ کی فوجی ہنگامہ آرائی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور حکومت سے بہت پہلے شروع ہوگئی تھی، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بھی ان فتوحات کے حدود میں کسی قدر اضافہ کیا، چنانچہ عمرو بن مسلم الباہلی نے جو ہندوستان میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا عامل تھا، ہندوستان کے بعض حصوں پر فوج کشی کی اور فتوحات حاصل کیں[2]،

یہ وہ لڑائیاں ہیں جو غیر قوموں کے مقابل میں پیش آئیں، لیکن سنہ ۱۰۰ھ میں عراق میں فرقہ حروریہ نے خروج کیا، چونکہ یہ مسلمانوں کا مقابلہ مسلمانوں کے ساتھ تھا، اس لئے حضرت عمر بن عبد العزیز کو خبر ہوئی، تو انھوں نے اپنے عامل عبد الحمید کو لکھا کہ جب تک یہ لوگ خونریزی اور فتنہ و فساد نہ کریں اُن سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے، ایک مستقل مزاج اور دور اندیش آدمی کے ساتھ فوج بھیجدی جائے، اور میرا یہ حکم سنا دیا جائے، عبد الحمید نے محمد بن جریر بن عبد اللہ البجلی کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ حضرت عمر بن عبد العزیز کا حکم سنا کر روانہ کردیا، اس کے ساتھ خود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بسطام کو جو خوارج کا سردار تھا، ایک خط لکھا جس میں اس کو ان الفاظ میں دعوت اصلاح دی، اور اس کے خروج کا سبب پوچھا،

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے خدا اور خدا کے رسول کی حمایت میں خروج کیا ہے لیکن
تم کو اس کا مجھ سے زیادہ حق نہیں ہے، آؤ ہم تم باہم مناظرہ کریں اگر ہم حق پر ہوں
تو تم تمام لوگوں کی طرح طوعاً اطاعت میں داخل ہوجاؤ، اور اگر تم حق پر ہو تو ہم اپنے

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۱ [2] فتوح البلدان ص۴۴۶،

معاملہ پر غور کریں گے۔"

بسطام نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ آپ نے جو کچھ کیا، اقتضاے انصاف یہی تھا میں آپ کی خدمت میں دو شخص بھیجتا ہوں، جو آپ سے مناظرہ کریں گے"، چنانچہ یہ دونوں شخص آئے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے سوال کیا، کہ آپ نے اپنے بعد یزید کو کیوں خلیفہ مقرر کیا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا کہ "اس کو دوسرے نے خلیفہ بنایا ہے"، انھوں نے کہا کہ "اگر کسی دوسرے کا مال آپ کی ولایت میں آئے اور آپ اس کو ایک غیر متدین شخص کے حوالے کر دیں تو کیا آپ نے حق امانت ادا کیا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے جواب کے لئے تین دن کی مہلت مانگی اور وہ دونوں ان کے پاس سے چلے گئے۔

طبقات ابن سعد میں عون بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ "مجھ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خوارج کے مقابلہ کے لئے بھیجا، میں نے ان سے پوچھا کہ عمر بن عبدالعزیز پر تمھارا کیا اعتراض ہے، انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو ان پر صرف یہ اعتراض ہے کہ وہ اپنے خاندان کے گذشتہ خلفاء پر لعنت نہیں بھیجتے اور یہ ان کی کمزوری ہے۔"

سیرۃ عمر بن عبدالعزیز میں اس کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ یحییٰ غسانی نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اطلاع دی کہ موصل کے اطراف میں حروریہ فرقہ کے چند لوگ جمع ہوئے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو لکھا کہ ان میں سے چند مناظر ڈاک کی سواری پر بھیج دئیے جائیں، انھوں نے اس قسم کے چند اشخاص بھیجے اور لوگوں نے آ کر کہا کہ "جب تک آپ اپنے خاندان والوں کی تکفیر نہ کریں، ان پر لعنت نہ بھیجیں، ان سے تبری نہ کریں ہم آپ کی اطاعت نہیں کر سکتے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو لعنت بھیجنے کے لئے نہیں پیدا کیا ہے البتہ اگر ہم اور تم زندہ رہے تو میں تم کو اور اپنے خاندان کو راہ راست پر لاؤں گا"، لیکن جب انھوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا، تمھارے مذہب میں سچ کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے، بتاؤ تم نے کب سے یہ مذہب اختیار کیا ہے؟ انھوں نے سالوں کی تعداد بتائی، بولے

ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز

توکیا تم نے فرعون پر لعنت بھیجی اور اس سے تبری کی؟ انھوں نے کہا نہیں، حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا، تم نے اس کو کیونکر چھوڑ دیا؟ میرے خاندان میں تو میرے پہلے ہر قسم کے برے بھلے لوگ تھے تو کیا ان سے چشم پوشی کرنا میرے لئے جائز نہ تھا، اس بحث و مباحثہ کے بعد ان کو ایک خط لکھا جس میں ان الفاظ میں دعوت اصلاح دی،

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ	اپنے خدا کے راستے کی طرف لوگوں کو
والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم	حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دو
بالتی ھی احسن،	اور ان سے بہتر طریقہ سے مباحثہ کرو،

اور میں تمھیں خدا کو یاد دلاتا ہوں کہ تم اپنے اُن بزرگوں کے سے کام کرو جو اپنے ملکوں سے شیخیاں مارتے ہوئے اور لوگوں کے سامنے اپنی نمایش کرتے ہوئے نکلے، وہ لوگ خدا کی راہ سے روکتے تھے، اور جو کچھ وہ لوگ کرتے تھے خدا ان پر حاوی تھا، کیا تم میرے گناہ کی وجہ سے اپنے دین سے نکل رہے ہو، خونریزی کرتے ہو، اور محرمات کی ہتک کرتے ہو؟ اگر ابو بکرؓ اور عمرؓ کے گناہ ان کی رعایا کو ان کے دین سے خروج کرنے پر آمادہ کرتے تو ان کے بھی گناہ تھے لیکن تمھارے آباؤ اجداد ان کی جماعت میں تھے، اور وہ اس سے نہیں نکلے، پھر تم جو چالیس پچاس آدمی ہو کیوں مسلمانوں کے مقابل میں خروج کرتے ہو؟ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم لوگ میری اولاد ہوتے اور میں جس امر حق کی طرف دعوت دیتا ہوں اُس سے روگردانی کرتے تو میں خالصۃً لوجہ اللہ تمھارا خون بہاتا، یہ میری نصیحت ہے، اگر اس پر بھی تم نے ظلم کیا تو نصیحت کرنے والوں پر ہمیشہ ظلم کیا گیا ہے"

اس کے ساتھ اپنے عامل کو لکھا کہ "اگر وہ کسی ذمی یا مسلمان سے تعرض کئے بغیر

ممالکِ محروسہ میں پھرتے رہیں تو ان کو اختیار ہے کہ جہاں چاہیں جائیں، لیکن اگر اُنھوں نے کسی ذمی یا مسلمان کے جان و مال سے تعرض کیا تو ان کے معاملہ کا فیصلہ خدا سے چاہو[۱]، لیکن خوارج پر اس بحث و مباحثہ اور وعظ و پند کا کچھ اثر نہ ہوا، اُنھوں نے لوگوں کے مال و دولت پر دستِ تطاول دراز کیا اور ڈاکے ڈالے، اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے حسب ذیل پابندیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی،

۱۔ عورت، بچے، قیدی قتل نہ کئے جائیں، اور بھاگنے والوں اور زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے[۲]،

۲۔ فتح کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آئے وہ ان کے اہل و عیال کو واپس دیدیا جائے،

۳۔ قیدی اُس وقت تک مقید رکھے جائیں جب تک وہ راہ راست پر نہ آجائیں،

ان پابندیوں کے ساتھ عبدالحمید نے اُن پر حملہ کیا، اور سوءِ اتفاق سے شکست کھائی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو شکست کا حال معلوم ہوا تو مسلمہ بن عبدالملک کی سپہ سالاری میں اہل شام کی ایک فوج مرتب کرکے بھیجی، اور مسلمہ نے چند ہی روز میں اُن پر غلبہ حاصل کرلیا[۳]،

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے کارنامہائے جنگ میں بحری لڑائیوں کا مطلق پتہ نہیں چلتا، بلکہ زرقانی میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے سے بحری لڑائیوں کا جو سلسلہ شروع ہوکر برابر قائم رہا، اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بالکل روک دیا، لیکن علامہ ابن عبدالبر نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بحری تجارت کی روک ٹوک کی تھی، جہاد اور حج کے لئے وہ اس کی ممانعت نہیں کرسکتے تھے[۴]، بہر حال حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ

---

[۱] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ صفحہ ۷۵، ۷۶، [۲] ایضاً صفحہ ۷۰، [۳] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ صفحہ ۲۶۳، [۴] زرقانی شرح موطا جلد ۲ صفحہ ۳۲۲،

کا بحری کارنامہ صرف یہ ہے کہ جب رومیوں نے سنہ ۱۰۰ھ میں لاذقیہ کے ساحل پر حملہ کرکے شہر کو برباد کردیا، اور باشندوں کو گرفتار کرکے لے گئے، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے شہر کی آبادی اور ساحل کی قلعہ بندی کا حکم دیا، اور قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ بھیجا، لیکن سنہ ۱۰۱ھ میں اُن کا انتقال ہوگیا، اور یزید بن عبدالملک نے اس کام کو پورا کیا، لیکن دوسری روایت میں ہے کہ شہر کی تعمیر اور قلعہ بندی کا کام خود حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز ہی کے عہد میں مکمل ہوگیا تھا،[1]

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۳۹،

عمال کی معزولی

بنو امیہ کی جابرانہ حکومت کا اثر صرف اُنہی تک محدود نہ تھا، بلکہ اُن سے زیادہ ان کے عمال رعایا کی خون آشامی کے خوگر ہو گئے تھے، اس لئے جب تک اس قسم کے عمال کو عبرت انگیز طریقے سے معزول نہ کیا جاتا وہ نظام سلطنت قائم نہ ہو سکتا جس کا سنگ بنیاد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ عدل و انصاف کی سطح پر رکھنا چاہتے تھے، اس لئے اُنھوں نے اموال مغصوبہ کی واپسی کے بعد اس قسم کے اجزار کو اس عادلانہ نظام حکومت کی ترکیب سے الگ کرنا چاہا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے یزید بن مہلب کو معزول کیا، یزید بن مہلب کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ابتداہی سے ناپسند فرماتے تھے، اور یزید بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو ریاکار خیال کرتا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو اُنھوں نے سنہ میں اس کو لکھا کہ تم کسی کو اپنی گورنری پر مامور کر کے چلے آؤ، یزید اس حکم کے مطابق اپنے لڑکے مخلد کو اپنا قائم مقام کر کے مع کل ساز و سامان کے خراسانؒ سے واسط آیا اور واسط سے کشتی میں سوار ہو کر بصرہ کی طرف روانہ ہوا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عدی بن ارطاۃ کے نام اُس کی گرفتاری کا فرمان پہلے ہی سے بھیجدیا تھا، چنانچہ عدی نے موسیٰ بن الوجیہ الحمیری کو اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا، اور اُس نے نہر معقل میں بصرہ کے پل کے پاس اس کو گرفتار کیا اور وہاں سے عدی نے اس کو پابزنجیر دار الخلافت کی طرف روانہ کیا، یزید حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ مجھے سلیمان بن عبد الملک

---

۵ یعقوبی میں ہے کہ وہ کل ساز و سامان لیکر اسلئے روانہ ہوا تھا کہ اسکو خراسان والوں پر اطمینان نہ تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود اہل خراسان اُس سے برگشتہ تھے،

کے نام تمھارا ایک خط ملا ہے، جس میں تم نے لکھا ہے کہ ۲ کروڑ کی رقم جمع ہوئی ہے، اب وہ رقم کہاں ہے؟ اُس نے پہلے تو انکار کیا، لیکن پھر کہا کہ "مجھے اجازت دیجئے کہ میں لوگوں سے لیکر یہ رقم واپس کردوں" حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ ایک بار تو لے چکے اب پھر دوبارہ انہی سے لینا چاہتے ہو؟ یہ یعقوبی کی روایت ہے[۱]، لیکن تاریخ طبری میں ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اُس سے اس رقم کا مطالبہ کیا، تو اُس نے کہا کہ "سلیمان کے دربار میں مجھے جو درجہ حاصل تھا آپ کو معلوم ہے، میں نے سلیمان کو اس رقم کی اطلاع اس غرض سے دی تھی کہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو جائے، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ سلیمان مجھ سے اُس کا مطالبہ نہ کریگا" لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا کہ "خدا سے ڈرو اور اپنی امانت ادا کرو یہ مسلمانوں کے حقوق ہیں اور میں اُن کو واگذاشت نہیں کرسکتا" یہ کہکر اُس کو قید خانے میں بھیجدیا[۲] اور جراح بن عبداللہ الحکمی کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا،

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ جب جراح کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا تو یہ حکم دیا کہ مخلد کو پابند سلاسل (لیکن اس طرح کہ بیڑیاں نماز کے ادا کرنے میں خلل انداز نہ ہوں) کر کے دربار خلافت میں روانہ کرو، جراح نے اُس کو نہایت عزت کے ساتھ گرفتار کر کے روانہ کیا، وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سر پر سفید ٹوپی تھی اور دامن زمین یا گھٹنوں سے اونچے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ہم تک جو خبریں پہنچی ہیں، تمھاری وضع اس کے خلاف نظر آتی ہے، مخلد نے کہا "ہم تو خلفاء کے مقلد ہیں، اگر تمھارے دامن دراز ہوں گے تو ہم بھی دامن لٹکائیں گے، اگر تم دامن کو اونچا رکھو گے تو ہم بھی اس کو اونچا رکھیں گے"[۳]

---

[۱] یعقوبی جلد ۲ مطبوعہ یورپ صفحہ ۳۶۲ [۲] طبری صفحہ ۱۳۵۱ [۳] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۶۲،

لیکن تاریخ طبری میں ہے کہ جب جراح خراسان پہنچے تو مخلد وہاں سے روانہ ہوا اور
جس ضلع سے گذرا وہاں کے لوگوں کو نہایت فیاضی کے ساتھ روپیے دیئے، حضرت عمرؒ
ابن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حمد و نعت کے بعد عرض کی خدا نے آپ کو خلیفہ بنا کر
تمام اُمت پر احسان کیا صرف ہم لوگ آپ کی وجہ سے مبتلائے مصیبت ہوئے ہم کو آپ کی
خلافت میں گرفتار مصائب نہ ہونا چاہیئے، آپ نے اس بڈھے (یزید) کو کیوں قید کیا ہے
اس پر جو مطالبہ عائد ہوتا ہے میں ادا کرتا ہوں آپ مجھ سے مصالحت کیجئے، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ
نے فرمایا کہ جب تک تم کل مطالبہ ادا نہ کر دوگے، صلح نہیں ہوسکتی، اس نے کہا "اگر آپ کے
پاس شہادت ہو تو اُس کے مطابق عمل فرمائیے اور اگر شہادت نہ ہو تو یزید کو سچا مانئے ورنہ
اُس سے حلف لیجئے اگر وہ حلف لینے سے انکار کرے تو اُس سے صلح کیجئے"، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ
نے فرمایا میں کل رقم لینے کے سوا کوئی صورت نہیں پاتا، اس گفتگو کے بعد مخلد واپس آیا اور چند ہی
دنوں کے بعد مر گیا، اب یزید نے اس رقم میں سے ایک حبہ کے ادا کرنے سے بھی انکار کیا
اس لئے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے اُس کو اُون کا ایک جبہ پہنا کر اونٹ پر سوار کرایا، اور
دھلک کی طرف جلاوطن کر دیا، یزید جب اس حالت میں لوگوں کے سامنے سے گذرا تو
بولا کیا میرا کوئی قبیلہ نہیں ہے؟ مجھے کیوں دھلک کی طرف جلاوطن کیا جاتا ہی؟ وہاں
تو فاسق، غارت گر اور مشتبہ لوگ بھیجے جاتے ہیں، سبحان اللہ کیا میرا کوئی قبیلہ نہیں ہی؟ یزید
کی قوم پر ان محرضانہ الفاظ کا اثر پڑا، اور وہ نہایت برہم ہوئی، سلامہ بن نعیم الخولانی کو اس
کا حال معلوم ہوا تو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یزید کی قوم سخت
برہم ہے، اگر آپ نے یزید کو روانہ کیا تو وہ اُس کو " راستے ہی میں چھین لے گی"، اسلئے
حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے اسکو قید خانے میں واپس بلالیا[۵] اور وہ اُنکے مرض الموت کے

زمانہ تک قید رہا،

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ مرض الموت میں بیمار ہوئے تو یزید بن مہلب کو ایک اور خواب پریشاں نظر آیا، یزید نے آل ابی عقیل پر جو یزید بن عبدالملک کے رشتہ دار تھے، مظالم کئے تھے جس کی پاداش میں یزید بن عبدالملک نے قسم کھائی تھی کہ اگر موقع ملا تو یزید کے چمڑے کو کاٹ کر جوتے کا تلا بناؤنگا، اب یزید کو نظر آیا کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے بعد وہی خلیفہ ہوگا اور اسکو اپنی قسم کے پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئیگی، اس لئے اُس نے قید خانہ سے بھاگنے کی تدبیر کی اور اپنے غلاموں یا چچازاد بھائیوں (موالی) کو کہلا بھیجا کہ اس مقصد کیلئے سواریاں تیار رکھیں حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ زیادہ بیمار ہوئے تو اس نے اونٹ طلب کئے اور قید خانہ سے نکل بھاگا، اجتماع کے لئے ایک مقام پہلے سے متعین کر لیا گیا تھا، یزید وہاں پہنچا تو اُن لوگوں سے ملاقات نہیں ہوئی، اس لئے اُس کے رفقار سخت پریشان ہوئے، یزید نے اُن کی پریشانی دیکھی تو کہا، کیا میں پھر قید خانے میں واپس جاؤں؟ خدا کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا، چنانچہ وہاں سے پھر اپنی بی بی کو ساتھ سوار کر کے روانہ ہوا، اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کو ایک خط لکھا کہ "اگر آپ کی زندگی کا یقین ہوتا تو خدا کی قسم میں نہ بھاگتا، لیکن مجھے یزید بن عبدالملک پر اعتماد نہ تھا، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے یہ خط پڑھا تو بولے کہ خدایا اگر یزید اس اُمت کے ساتھ بُرائی کرنا چاہتا ہے، تو اُسکو اس کے شر سے بچا، اور اس کے فریب کو اس کی طرف لوٹا دے، یزید بن مہلب بھاگتا ہوا حدث زقاق میں پہنچا جہاں ہذیل بن زفر قبیلہ قیس کی ایک جماعت کے ساتھ موجود تھا، ان لوگوں نے یزید کا تعاقب کیا اور اس کا کچھ اسباب لوٹ لیا، اور چند غلام گرفتار کر لئے،[۱]

---

[۱] طبری صفحہ ۱۳۵۹-۱۳۶۰،

یزید کے بعد جراح ایک سال پانچ ماہ تک خراسان کا گورنر رہا، لیکن اس کے بعد
حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اسکو بھی معزول کر دیا جس کا سبب یہ ہوا کہ یزید بن مہلب نے اپنے زمانۂ
گورنری میں جہم بن زحر کو جرجان کا والی مقرر کیا تھا، لیکن جب یزید گرفتار ہوا تو عراق کے
عامل نے جہم کی جگہ ایک دوسرے شخص کو وہاں کا عامل مقرر کر کے بھیجا، جب وہ وہاں پہنچا
تو جہم نے اس کو مع رفقار کے قید کر دیا، اور خود پچاس آدمیوں کے ساتھ خراسان کو روانہ ہوا،
جراح سے ملاقات ہوئی تو اُس نے کہا کہ اگر تو میرا چچازاد بھائی نہ ہوتا تو میں تیری اس حرکت کو
گوارا نہ کرتا، جہم نے کہا "اگر یہ قرابت نہ ہوتی تو میں تمھارے پاس نہ آتا"، اب جراح نے اس کو اس
گناہ کے کفارے کے لئے ایک لڑائی میں بھیجدیا، جہاں سے وہ کامیاب آیا، جراح نے حضرت عمر
ابن عبد العزیزؒ کو اس کامیابی کی اطلاع دی اور تین شخصوں کا وفد بنا کر بھیجا، جن میں دو عرب اور
ایک مولیٰ تھا، وفد دربار خلافت میں حاضر ہوا تو دونوں عربے گفتگو کی اور مولیٰ خاموش رہا، حضرت
عمر بن عبد العزیزؒ نے اُس سے کہا کہ تم بھی تو وفد میں ہو آخر کیوں نہیں بولتے؟ اب اوس نے موقع
پاکر کہا کہ یا امیر المومنین ۲۰ ہزار موالی جہاد کرتے ہیں اور ان کو وظیفہ نہیں ملتا، اور اسی قدر
ذمی مسلمان ہو گئے ہیں اور اب تک اُن سے خراج لیا جاتا ہے، ہمارا امیر ظالم اور متعصب ہے
منبر پر کھڑے ہو کر کہتا ہے کہ میں مہربان ہو کر آیا تھا اور اب میں عصبی ہوں، میری قوم کا ایک
آدمی دوسری قوم کے سیکڑوں آدمیوں سے زیادہ مجھ کو محبوب ہے، اُس کے ظلم کی انتہا یہ ہے
کہ اس کے کرتے کی آستین اُس کے نصف کرتے تک پہنچتی ہے، اب تک حجاج کی ایک تلوار ہے
اور ظلم و عدوان پر عمل کرتا ہے"، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "وفد
میں ایسے ہی شخص کو آنا چاہئے" اور جراح کو اُسی وقت لکھا کہ "جو لوگ قبلہ رخ نماز پڑھتے ہیں انکا
جزیہ معاف کر دو"

اس حکم کا اعلان ہوا تو اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ لوگوں نے جراح سے کہا کہ "لوگ صرف جزیہ کی ناگواری سے اسلام لا رہے ہیں، ان کا ختنہ کرو تو ان کی آزمائش ہو سکے گی"، جراح نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کو اسکی اطلاع دی تو اُنھوں نے لکھا کہ "خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ خاتن"، اس کے بعد لوگوں سے کہا کہ "ایک ایسے شخص کا نام بتاؤ، جس سے میں خراسان کے حالات دریافت کروں" لوگوں نے ابو مجلز کا نام بتایا، اب حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے جراح کو لکھا کہ ابو مجلز کو ساتھ لے کر فوراً چلے آؤ، جراح عبدالرحمٰن بن نعیم غامدی کو صیغۂ جنگ کا اور عبداللہ بن حبیب کو صیغۂ خراج کا افسر مقرر کر کے رمضان سنہ ۱۰۰ھ میں روانہ ہوا، دربار خلافت میں حاضر ہوا تو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے پوچھا کہ وہاں سے کب روانہ ہوئے؟ بولا "رمضان میں" فرمایا کہ جس نے تم کو ظالم کہا بالکل سچ کہا، رمضان گذار کر کیوں نہیں آئے؟ جراح روانہ ہوا تھا تو بیت المال سے ۲۰ ہزار کی رقم بطور قرض کے لی تھی، اس لئے اُس نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز سے درخواست کی کہ اُس کو ادا فرما دیجئے، بولے "اگر رمضان کے بعد آتے تو میں ادا کر دیتا"، آخر کار اوس کی قوم کے لوگوں نے اپنے وظائف سے یہ رقم ادا کر دی،

اس شکایت کے علاوہ جراح کے ظلم و عدوان کے ثبوت میں حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے نزدیک اور قرائن بھی جمع ہو گئے، جراح جب اوّل اوّل خراسان میں آیا تھا تو اُس نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی خدمت میں لکھا تھا کہ "یہاں کچھ لوگ ہیں جو فتنہ و فساد کر کے حقوق اللہ کو روکنا چاہتے ہیں، اُن کو اس سے تلوار اور کوڑے کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی، لیکن آپ کی اجازت کے بغیر میں اس کی جرأت نہیں کر سکتا"

اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا کہ "تم اُن سے زیادہ فتنہ وفساد پھیلانا چاہتے ہو، کسی مسلمان یا ذمی کو بغیر استحقاق کے ایک کوڑا بھی نہ مارو"

ان اسباب سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جراح کو خراسان کی گورنری سے معزول کر دیا، اور عبد الرحمان بن نعیم کو صیغہ جنگ اور عبد الرحمان قشیری کو صیغہ خراج کا افسر مقرر کیا۔[1]

---

[1] طبری از صفحہ ۱۳۵۳ تا صفحہ ۱۳۵۶۔
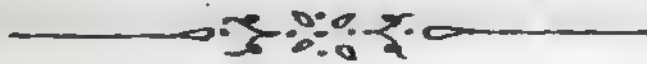
وفات

اوپر گذر چکا ہے کہ بنو امیہ نے غاصبانہ طور پر مسلمانوں کی جو جائدادیں اپنے قبضہ میں کر لی تھیں
انکو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سریر آرائے خلافت ہونے کے ساتھ ہی نہایت سختی کے ساتھ واپس
کر دیا جسنے اُن کے تمام خاندان میں عام برہمی پھیلا دی لیکن یہ ناراضی صرف زبان وقلم تک محدود
نہیں رہی بلکہ اُس نے ایک خطرناک سازش کی صورت اختیار کر لی، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
کی وفات اسی سازش کا نتیجہ ہے،

ابتدائے مرض میں عام خیال تھا کہ ان پر جادو کیا گیا ہے، لیکن خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
کو اصلی راز معلوم ہو گیا تھا، چنانچہ اُنھوں نے ایک بار مجاہد سے پوچھا کہ میری نسبت لوگوں کا کیا خیال
ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ "لوگ آپکو مسحور سمجھتے ہیں" بولے "میں مسحور نہیں ہوں، مجھے وہ وقت یاد ہے، جس میں مجھے
زہر دیا گیا ہے،" اسکے بعد ایک غلام کو بلا کر پوچھا کہ تم مجھے زہر دینے پر کیوں آمادہ ہوئے؟ اُس نے کہا "مجھے
ہزار دینار دیکر آزاد کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہ دینار منگوا کر بیت المال
میں داخل کرا دیئے اور اُس سے کہدیا کہ "تم ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تم کو کوئی نہ دیکھ سکے"[1] طبیب آیا تو اُس نے
بھی یہی تجویز کی اور علاج کی طرف توجہ دلائی لیکن اُنھوں نے علاج کرنے سے انکار کر دیا،[2]

۲۰ دن تک بیمار رہے، اور ۲۵ رجب سنہ ۱۰۱ھ روز چہار شنبہ کو ۳۹ سال کی عمر[3] میں بمقام
دیر سمعان انتقال کیا اور وہیں دفن کئے گئے،

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۲ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ صفحہ ۲۷۰ [3] بعض روایتوں میں تاریخ وفات ۲۰ رجب
اور عمر ۴۰ سال بیان کی گئی ہے، اور بعض روایتوں میں تاریخ وفات ۲۴ رجب ہے،

انکی وفات کے واقعات نہایت موثر ہیں، انکی بی بی فاطمہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ میں آپکے یہاں سے چلی جاؤں آپ سوئے نہیں ہیں شاید آپ کو نیند آجائے یہ کہہ کر میں دوسرے کمرے میں چلی گئی، وہاں میں نے سنا کہ باربار اس آیت کی تلاوت کر رہے ہیں،

تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا	یہ آخرت کا گھر ہے ہم ان لوگوں کیلئے بناتے ہیں
یریدون علوا فی الارض و لا	جو زمین میں نہ تفوق چاہتے ہیں نہ فساد کرتے ہیں
فسادا والعاقبۃ للمتقین،	اور عاقبت صرف پرہیزگاروں کیلئے ہے،

اس کے بعد گردن جھکالی اور دیر تک مجھے کسی قسم کی حرکت محسوس نہیں ہوئی، جو خادم تیمارداری کرتا تھا میں نے اس سے کہا کہ جاکر دیکھ تو سہی اُس نے جاکر دیکھا تو زور سے چلایا، میں نے جاکر دیکھا تو اون کو مردہ پایا رُخ قبلہ کی طرف تھا، ایک ہاتھ منہ پر اور دوسرا آنکھوں پر رکھے ہوئے تھے، دوسری روایت میں ہے کہ جب نزع کا وقت آیا تو اوھنوں نے کہا کہ "سب نکل جائیں اور میرے پاس کوئی نہ رہنے پائے" سب نکل آئے اور دروازے پر مسلمہ بن عبدالملک اور ان کی بی بی فاطمہ بیٹھی رہیں، ان لوگوں کے کان میں یہ آواز آئی، کیا مبارک چہرے ہیں، جو نہ آدمیوں کے ہیں نہ جنوں کے "اِس کے بعد متذکرہ بالا آیت پڑھ کر خاموش ہو رہے مسلمہ نے فاطمہ سے کہا کہ انتقال ہوگیا، جاکر دیکھا تو واقعی انتقال ہو چکا تھا،[1]

مرض الموت میں لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ اگر آپ مدینہ میں جاکر وفات پاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ دفن ہوتے "اُس مدفن پاک میں ایک قبر کی جگہ اور ہے، بولے خدا کی قسم آگ کے سوا اگر خداوند تعالیٰ مجھے ہر قسم کے عذاب دے تو میں اوسکو بخوشی برداشت کرونگا، لیکن یہ گوارا نہیں ہے کہ خدا کو یہ معلوم ہو کہ میں اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کے قابل سمجھتا ہوں،، اس بنا پر ایک عیسائی سے خود ہی اپنی قبر کی زمین

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ صفحہ ۲۸۴ و ۲۸۵،

خریدنی چاہی عیسائی نے کہا یہ تو میرے لئے خیر و برکت کا سبب ہوگا، میں آپ کو یہ زمین یونہی دیتا ہوں،، لیکن اُنھوں نے اسکو گوارا نہیں کیا، اور زمین کو بقیمت خریدا[۱]،

رجاء بن حیوٰۃ کو وصیت کی تھی کہ وہی غسل دیں، وہی کفن پہنائیں اور وہی قبر میں اتاریں[۲]، لونڈی کو وصیت کی تھی کہ حنوط میں مشک نہ ملائے، اور قبر کو اینٹ سے بنانے کی ممانعت کی تھی کفن کیلئے خود ہی پانچ کپڑے متعین کر دیئے تھے، اور کہدیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے خاندان کے مردوں کو اسی طرح کفناتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے چند بال اور چند ناخن منگوا کر کفن میں رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی[۳]، یزید بن عبدالملک کیلئے ایک وصیت نامہ لکھا تھا جس کے الفاظ یہ ہیں :-

میں تم کو یہ لکھتا ہوں اور میں مرض سے لاغر ہو رہا ہوں تم کو معلوم ہے کہ امور خلافت کے متعلق مجھ سے سوال کیا جائیگا، اور خدا مجھ سے اس کا حساب لے گا، اور میں اس سے اپنا کوئی کام نہ چھپا سکوں گا، خدا خود کہتا ہے،

فلنقصن علیھم بعلم وما کنا غائبین — ہم انکو علم سے قصہ سناتے ہیں اور ہم غیر حاضر نہ تھے

اگر خدا مجھ سے راضی ہوگیا تو میں کامیاب ہوا اور ایک طویل عذاب سے نجات پائی، اور اگر مجھ سے ناراض ہوا تو افسوس ہے میرے انجام پر، میں اُس خدا سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی رحمت سے آگ سے نجات دے، اور اپنی رضامندی سے جنت عطا کرے، تمکو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے، اور رعایا کا خیال رکھنا چاہئے، کیونکہ میرے بعد تم صرف تھوڑے دنوں زندہ رہوگے، تم کو اس سے بہت احتراز کرنا چاہئے کہ تم سے غفلت میں لغزش ہو، اور تم اسکی کوئی تلافی نہ کر سکو،

سلیمان بن عبدالملک خدا کا ایک بندہ تھا خدا نے اسکو وفات دی اور اس نے مجھکو خلیفہ

[۱] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۸۲-۲۸۳ [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز ص ۳۰ [۳] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۸۷

بنایا اور میرے لئے خود بیعت لی، اور میرے بعد تمکو ولیعہد مقرر کیا، میں جس حالت میں تھا اگر وہ اس لئے ہوتی کہ میں بہت سی بیبیوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں تو خدا نے مجھ کو اوس سے بہتر سامان دیئے تھے، جو کسی بندے کو دے سکتا تھا، لیکن میں سخت حساب اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں، بجز اس کے جس پر خدا میری مدد کرے۔[1]

اہل و عیال کی نسبت مسلمہ نے کہا کہ "اے امیر المومنین آپ نے اپنی اولاد کا منھ ہمیشہ اس مال سے خشک رکھا، اس لئے آپ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے کاش مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو اُن کے متعلق کچھ وصیت کر جاتے، بولے" مجھے ٹیک لگا کر بٹھاؤ، پھر فرمایا کہ "تمھارا یہ کہنا کہ میں نے اون کے منھ کو ہمیشہ اس مال سے خشک رکھا تو خدا کی قسم میں نے ان کا حق کبھی تلف نہیں کیا، اور جس چیز میں ان کا حق نہیں تھا وہ ان کو کبھی نہیں دی، تمھارا یہ کہنا کہ میں تجھ یا خاندان کے کسی شخص کو ان کے متعلق وصیت کر جاؤں تو اُن کے معاملہ میں میرا وصی اور میرا ولی صرف خدا ہے، اور وہی صلحا کا ولی ہوتا ہے، میرے لڑکے اگر خدا سے ڈریں گے تو خدا اون کے لئے کوئی صورت نکال دیگا، اور اگر وہ مبتلاے گناہ ہوں گے تو میں اُن کو معصیت کے لئے طاقتور نہ بناؤنگا" اس کے بعد لڑکوں کو بلایا اور باچشم تر ان کو دیکھکر فرمایا تیری جان ان نوجوانوں پر قربان جن کو میں نے محتاج و مفلس چھوڑا ہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے اُن کو اچھی حالت میں چھوڑا، لڑکو! تم کسی عرب کسی ذمی سے نہ ملوگے جس پر تمھارا حق نہ ہوگا، لڑکو! تمھارے باپ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار تھا، ایک یہ کہ تم لوگ دولتمند ہو جاؤ اور وہ جہنم میں داخل ہو، یا تم لوگ محتاج رہو اور وہ جنت میں جائے، لیکن یہ بات کہ تم لوگ محتاج رہو اور وہ جنت میں جائے اُس کو زیادہ محبوب تھی بہ نسبت اس کے کہ تم لوگ

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۲۷۷، ۲۷۸

دولتمند ہو اور وہ آگ میں جائے، اُنھو خدا اُنکو محفوظ رکھے"۔

ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمہ بن عبد الملک نے وصیت کی درخواست کی تو اونھوں نے کہا کہ مال کہاں ہے جس کے متعلق وصیت کروں مسلمہ نے کہا میں ایک لاکھ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں، آپ اسی کے متعلق وصیت کر دیجئے" بولے اس کو جہاں سے لائے ہو وہیں واپس کر آؤ"، اس پر مسلمہ رو پڑے[۱]،

لوگوں کو اُن کی وفات کا حال معلوم ہوا تو عام و خاص، عالم و جاہل، مسلم و غیر مسلم سب نے عام طور پر ماتم کیا، قاعدہ یہ تھا کہ جب اون کا قاصد بصرہ میں آتا تو چونکہ وہ عموماً وظائف کے اضافہ یا کسی اچھی بات کا حکم اور کسی بُرائی سے ممانعت کا فرمان لاتا، اس لئے لوگ اس کا استقبال کرکے اُس کو مسجد تک لاتے اور وہ اُن کا خط پڑھ کر سناتا، اس لئے جب قاصد ان کی وفات کی خبر لے کر بصرہ میں آیا تو لوگوں نے حسب معمول اُس کا استقبال کیا لیکن جب اُس نے رو کر اُن کی وفات کی خبر سنائی تو سب لوگ رو پڑے[۲]

امام حسن بصری کو اس واقعہ کی خبر پہونچی تو بولے" اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ"، اے ہر نیکی کے مالک"، تمام فقہا، اُن کی بی بی فاطمہ کے پاس تعزیت کے لئے آئے اور کہا کہ "یہ مصیبت تمام اُمت کے لئے عام ہے"۔

عبد الملک بن عمیر نے موت کے بعد اُن کی اخلاقی خوبیوں کو گن گن کر کہا کہ اے امیر المومنین خدا تم پر رحم کرے تم نگاہوں کو جھکائے رہتے تھے، پاکدامن تھے، حق کے ساتھ فیاض اور بخل کے ساتھ بخیل تھے، غصہ کے وقت غصہ ہوتے تھے اور رضامندی کے وقت راضی ہوتے تھے، نہ ظریف تھے، نہ کسی پر عیب لگاتے تھے، نہ کسی کی غیبت کرتے تھے،

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۲۷۹، ۲۸۰، [۲] سیرت ابن عبد الحکم ص ۶۶،

محمد بن معبد کا بیان ہے کہ میں شاہ روم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کو زمین پر نہایت رنج وغم کی حالت میں بیٹھا ہوا پایا، میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ بولا جو کچھ ہوا تم کو خبر نہیں؟ میں نے کہا کیا ہوا، بولا مرد صالح کا انتقال ہو گیا، میں نے کہا وہ کون؟ بولا عمر بن عبد العزیز، پھر کہا "اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی مردوں کو زندہ کر سکتا تو حضرت عمر بن عبد العزیز ہی کر سکتے تھے، مجھے اس راہب کی حالت پر کوئی تعجب نہیں جس نے اپنے دروازے کو بند کر کے دنیا کو چھوڑ دیا اور عبادت میں مشغول ہو گیا، مجھے اس شخص کی حالت پر تعجب ہے جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی اور اس نے اس کو پامال کر کے راہبانہ زندگی اختیار کی" مجاہد کا بیان ہے کہ میں جا رہا تھا کہ ایک نبطی نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو، تم حضرت عمر بن عبد العزیز کی وفات کے وقت موجود تھے؟ میں نے کہا ہاں، یہ سن کر وہ رو پڑا اور ان کے لئے رحمت کی دعا مانگی، میں نے کہا تم ان کے لئے کیوں رحمت کی دعا مانگتے ہو؟ وہ تو تمہارے ہم مذہب نہ تھے" اس نے کہا میں ان پر نہیں روتا، اس نور پر روتا ہوں جو زمین پر تھا، اور اب بجھ گیا"[۱]

علماء مدتوں ان کی قبر کی زیارت کرتے رہے، ایک بار مکحول مقام وابق سے پلٹ کر ایک منزل میں کوچ کے وقت اترے اور ایک طرف دور نکل گئے، لوگوں نے پوچھا کہاں گئے تھے؟ بولے پانچ میل کے فاصلہ پر عمر بن عبد العزیز کی قبر تھی میں وہیں گیا تھا، خدا کی قسم ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ کوئی خداترس نہ تھا، خدا کی قسم ان کے زمانے میں ان سے زیادہ کوئی زاہد نہ تھا[۲]، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ اب تک ان کی قبر زیارت گاہ خلائق ہے[۳]،

شعراء کو اگرچہ انھوں نے اپنی زندگی میں مدح سرائی کا موقع نہیں دیا تاہم اون کی وفات

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۲۸۸، ۲۸۹ [۲] ایضاً ص ۲۹ [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۱۸ تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیز

پر سب نے دل کھول کر مرثیے لکھے، جریر نے ان اشعار میں اپنے درد دل کا اظہار کیا،

تنعی النعاة امیرالمومنین لنا	یا خیر من حج بیت الله واعتمرا

خبر مرگ پہنچانے والے ہمکو امیرالمومنین کی موت کی خبر دیتے ہیں اے ان لوگوں میں جنھوں نے بیت اللہ کا حج اور عمرہ کیا سب سے بہتر

حملت امرا عظیما فاضطلعت به	وسرت فیه بحکم الله یا عمرا

آپ پر ایک بڑا بوجھ لادا گیا، اور آپنے اس کو بغل میں دبا لیا، اور اے عمر تم نے اس پر خدا کے حکم کے موافق عمل کیا،

الشمس طالعة لیست بکاسفة	تبکی علیه نجوم اللیل والقمرا

سورج نکلا ہے، گہنا یا نہیں، تم پر رات کے ستارے اور چاند رو رہے ہیں،

فرزدق کے قطرہائے اشک یہ ہیں،

کم من شریعة حق قد شرعت لهم	کانت امیتت واخری منک تنتظر

کتنی مردہ شریعتوں کو تم نے زندہ کیا، اور دوسری شریعتوں کے زندہ کرنے کی تم سے توقع تھی،

یا لهف نفسی ولهف اللاهفین معی	علی العدل الذی تغتاله الحفر

میرے نفس کا پچھتاوا، اور میرے ساتھ تمام افسوس کرنے والوں کا پچھتاوا اس عادل پر جسکو قبر نے اچک لیا

محارب بن دثار نے ان اشعار میں فغاں سنجی کی،

لو اعظم الموت خلقا ان یواقعه	لعدله لم یصبک الموت یا عمر
اگر انصاف کی وجہ سے موت کسی کو نہ آسکتی	تو اے عمر تمھیں موت نہ آتی،
لو کنت املک والاقدار غالبة	تاتی رواحا وتبیانا وتبتکر،
اگر مجھے قدرت ہوتی، حالانکہ تقدیر غالب ہے	جو شام وصبح اپنے کرشمے دکھایا کرتی ہے
صرفت عن عمر الخیرات مصرعه	بدیر سمعان لکن یغلب القدر[1]
تو میں عمر سے موت کو مقام	دیر سمعان میں ٹال دیتا، لیکن تقدیر غالب آتی ہے

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۲۹۳،

اسی طرح اور بھی متعدد شعراء نے مرثیے لکھے، جن کو ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی اولاد کے لئے جو ترکہ چھوڑا اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اپنی اولاد سے کہا کہ تم "خزانچی پر تہمت نہ لگانا میں صرف ۲۱ دینار چھوڑتا ہوں، جس میں دیر سمعان کے لوگوں کے مکانات کا کرایہ ادا کرنا ہوگا، ایک مزروعہ اور قبر کی زمین کی قیمت دینا ہوگی۔"

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا کہ انھوں نے تمہارے لئے کس قدر مال چھوڑا؟ وہ مسکرائے اور کہا کہ "ان کے داروغہ نے مجھ سے بیان کیا کہ نزع کے وقت خود انھوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کس قدر روپیہ ہے؟ میں نے کہا ۱۴ دینار، انہوں نے کہا کس قدر منافع کی جائداد چھوڑی؟ بولے ۶۰۰ سو دینار، ہم بارہ مرد اور ۶ عورتیں تھے جن کو ہم نے ۱۵ اسہام پر تقسیم کر لیا،،

منصور نے عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر سے درخواست کی کہ "مجھے نصیحت کیجئے" بولے اس چیز کی نصیحت کروں جو میں نے دیکھی ہے یا اس چیز کی جو میں نے سنی ہے؟ اس نے کہا "جو آپ نے دیکھی ہے" بولے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے گیارہ لڑکے چھوڑ کر وفات کی اور ان کا کل ترکہ ۱۷ دینار تھا جس میں ۵ دینار ان کے کفن میں صرف ہوئے دو دینار پر قبر کی زمین خریدی گئی اور بقیہ لڑکوں پر تقسیم ہوا اور ہر لڑکے نے انیس انیس درہم پائے، ہشام بن عبدالملک بھی گیارہ لڑکے چھوڑ کر مرا اور جب ترکہ تقسیم ہوا تو سب نے دس دس لاکھ پایا، لیکن میں نے عمر بن عبدالعزیز کے ایک لڑکے کو دیکھا کہ ایک دن میں سو گھوڑے جہاد کے لئے دیئے، اور ہشام کے ایک لڑکے کو دیکھا جس کو لوگ صدقہ دے رہے ہیں[۱] بہر حال اگر اور خلفائے بنو امیہ کے ساتھ ان کا موازنہ کیا جائے تو انھوں نے نام نیک کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا،

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۹۵، ۲۹۶

ازواج واولاد

حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کے چار بیبیاں تھیں، جن میں ایک ام الولد یعنی صاحب اولاد لونڈی تھی، بی بیوں میں ایک کا نام لمیس بنت علی بن حارث اور دوسری کا ام عثمان بنت شعیب بن زیان اور تیسری کا فاطمہ بنت عبد الملک بن مروان تھا، اور ان میں ہر ایک سے اولاد پیدا ہوئی لونڈی سے، لڑکے یعنی عبد الملکؒ، ولیدؒ، عاصمؒ، یزیدؒ، عبداللہؒ، عبد العزیزؒ، زیانؒ اور دو لڑکیاں یعنی امینہ اور ام عبد اللہ پیدا ہوئیں، ام عثمان سے صرف ایک لڑکا ابراہیم پیدا ہوا، عبد اللہ، بکر اور ام عمار لمیس کے بطن سے تھے، اور بقیہ اولاد یعنی اسحٰق، یعقوبؒ، موسیٰ فاطمہ بنت عبد الملک کے بطن سے تھیں، اس طرح اُن کی اولاد ذکور و اناث کی مجموعی تعداد ۱۷ تھی، جن کے حالات حسب ذیل ہیں،

عبد الملک

عبد الملک نہایت متقشف اور زاہد تھے، ایک دن بی بی خوب بن سنور کر سامنے آئی، تو کہا کہ "اب تم کو عدت میں بیٹھنا چاہئے"، بعض مشائخ اہل شام کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے اپنے بیٹے عبد الملک ہی کو دیکھکر عبادت گذاری اختیار کی، یسار بن الحکم کا بیان ہے کہ عبد الملک حضرت عمرؒ بن عبد العزیز سے بھی افضل تھے، میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ میں نے ایک گھر میں تین آدمیوں سے بہتر نہیں دیکھا، ایک عمرؒ بن عبد العزیز دوسرے ان کے بیٹے عبد الملک اور تیسرے ان کے مولا مزاحم" اس بنا پر حضرت عمرؒ بن عبد العزیز ان کو نہایت محبوب رکھتے

اور اُن پر نہایت اعتماد کرتے تھے، چنانچہ خلیفہ ہونے کے ساتھ ان کو ایک خط میں لکھا کہ "اپنے بعد میں اپنی وصیت اور نصیحت کا سب سے زیادہ مستحق تم کو سمجھتا ہوں، اور تم بھی ان کے محفوظ رکھنے کے سب سے زیادہ اہل ہو، خدا نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور جو نعمتیں رہ گئی ہیں، وہ بھی عطا کریگا، تو خدا کا جو احسان تم پر اور تمھارے باپ پر ہے اس کو یاد کرو اور اپنے باپ کو ہر اُس معاملہ میں جس پر وہ قادر ہے اور جس سے تمھارے خیال میں وہ عاجز ہے، مدد دو"

عبد الملک نے اس نصیحت پر شدت کے ساتھ عمل کیا، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو خلافت کے اہم معاملات میں ہمیشہ مدد دی، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اموال مغصوبہ کو بنو امیہ کے فتنہ و فساد کے خوف سے بتدریج و تمہل واپس کرنا چاہتے تھے، لیکن عبد الملک ہی کے مشورے سے اُنھوں نے اس کام کو سب سے پہلے انجام دیا،

ایک بار حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کسی بات پر سخت برہم ہوئے، عبد الملک بھی اوس جگہ موجود تھے، جب اُن کا غصہ فرو ہوا تو بولے اے امیر المومنین! آپ اس درجہ پر پہنچکر اس قدر غصہ ہوتے ہیں؟ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا تو کیا تم غصہ نہیں ہوتے؟ بولے میری توند سے کیا فائدہ اگر میں غصہ کو ہضم نہ کر جاؤں" (اُن کا پیٹ بڑا تھا)

ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ دربار کر رہے تھے، دوپہر ہوئی تو تھک کر اُٹھ گئے اور آرام لینے لگے، عبد الملک حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ آپ اندر کیوں چلے آئے؟ فرمایا تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں، بولے "رعایا دروازے پر آپ کا انتظار کر رہی ہے اور آپ اُن سے چھپتے ہیں کیا موت پر آپ کو اعتماد ہے کہ وہ اس حالت میں نہ آجائے گی؟ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اسی وقت اُٹھے اور پھر دربار کرنا شروع کیا،

عبد الملک نے باپ کی زندگی ہی میں بعارضہ طاعون انتقال کیا، بیماری کی حالت میں

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کے پاس جاکر حال پوچھا تو بولے "میں اپنے آپ کو حق پر پاتا ہوں لیکن خدا کی قسم آپ کی مرضی مجھے اپنی مرضی سے زیادہ محبوب ہے" موت کے بعد لاش کے پاس گئے اور مزاحم نے انکی موت کی خبر دی تو بے ہوش ہوگئے ہوش میں آئے تو لاش کو دیکھکر یہ شعر پڑھا،

لا یغرنک عشاء ساکن قد یوافی بالمنیات السحر

تم کو بے خوف و خطر شام دھوکا نہ دے کیونکہ موت صبح کو بھی آتی ہے،

اور فرمایا "اے بیٹے دنیا میں تم ویسے ہی تھے جیسا کہ خدا کہتا ہے،

المال والبنون زینة الحیٰوة الدنیا مال و اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں[1]

اور تم دنیا کی افضل ترین زینت تھے اور مجھے توقع ہے کہ آج سے تم باقیات الصالحات میں داخل ہوگئے، جس کا ثواب سب سے بڑھکر ہے"

کفن پہنایا جانے لگا تو چہرے کو دیکھکر فرمایا "اے بیٹے خدا تم پر رحم کرے اور تمھاری مغفرت کرے، دفن ہونے کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہوکر فرمایا "اے بیٹے خدا تجھ پر رحم کرے بچپن میں تم خوشی کا باعث تھے، جوانی میں حق پدری ادا کرنے والے تھے" اس کے بعد تمام لوگوں کو مخاطب کرکے ایک تقریر کی اور سب کو نوحہ و بکا سے روک دیا،

لوگوں نے عام طور پر حاضر ہوکر رسم تعزیت ادا کی، ایک بدو نے کھڑے ہوکر تعزیت میں یہ اشعار پڑھے،

تعز امیر المومنین فانہ لما قد تری یغذی الولید ویولد

ھل ابنک الا من سلالۃ آدم لکل علی حوض المنیۃ مورد

عبد العزیز

یہ یزید بن عبد الملک اور مروان بن محمد کی جانب سے مکہ اور مدینہ کے گورنر تھے، وہ رداۃ

[1] سیرت ابن عبد الحکم ص ۱۱۲،

حدیث میں ہیں،

عبید اللہ

یہ یزید بن ولید کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، یہ جب وہاں کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو بصرہ والوں نے ایک نہر کھدوانے کی درخواست کی، انھوں نے یزید کو اس کی اطلاع دی یزید نے لکھا کہ "اگر عراق کا کل خراج صرف ہو جائے تب بھی نہر کھدواؤ"، چنانچہ انھوں نے تین لاکھ کے صرف سے ایک نہر کھدوائی جو اون کے نام سے مشہور ہے[1]،

بقیہ اولاد یعنی اسحٰق، یعقوب، بکر، موسیٰ، ولید، عاصم، یزید، زیان، امینہ ام عمار اور ام عبد اللہ میں بعض نے بچپن ہی میں وفات کی، اور بقیہ نے کوئی خاص ناموری حاصل نہیں کی،

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا نہایت عمدہ انتظام کیا تھا، صالح بن کیسان جو علمائے مدینہ میں بڑے پایہ کے محدث تھے، اُن کی نسبت تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کی اولاد کے مودب یعنی اتالیق تھے[2]، ان کے علاوہ ان کے مولیٰ سہل بھی اس خدمت پر مامور تھے اور حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ اُن کو بہترین تعلیم و تربیت دینے پر خود متوجہ کرتے رہتے تھے، ایک بار اون کو ایک خط میں لکھا کہ میں نے اچھی طرح سمجھ بوجھ کر تمام موالی اور خواص میں سے تم کو اپنی اولاد کی تادیب کے لئے انتخاب کیا ہے، ان کو خشونت سکھاؤ کہ یہ ان کے قدم کو راسخ کرے گی، اور ترک صحبت کی طرف توجہ دلاؤ، کہ وہ غفلت پیدا کرتی ہے، اور کم ہنسنے دو کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کرتا ہے، تمھارے ادب سے پہلی بات جو وہ سیکھیں وہ راگ باجے کی طرف سے نفرت ہو، کیونکہ میں نے ثقات سے سنا ہے کہ راگ باجے کا سننا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے، جس طرح پانی گھاس کو اُگاتا ہے، ان میں ہر لڑکا قرآن مجید کا

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۷۰ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول تذکرہ صالح بن کیسان، ص ۱۳۳،

ایک ٹکڑا شروع کرے، اور نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی قرأت کرے جب اس سے فارغ ہوتا تو ہاتھ میں تیر و کمان لے کر برہنہ پا نکل جاتے اور سات تیر چلاتے، پھر قیلولہ کرنے کے لئے واپس آتے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے بچو قیلولہ کرو اس لئے کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔[1]

حلیہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا رنگ سفید، چہرہ پتلا اور آنکھیں گہری تھیں، بچپن میں گھوڑے نے پیشانی پر لات ماردی تھی جس کا نشان باقی تھا، اور اس لئے وہ "اشج بنو امیہ" کہلاتے تھے، اخیر عمر میں بال سفید ہونے لگے تھے، جسم لاغر تھا، اور یہ غالباً زہد و تقشف کا اثر تھا،

[1] یہ تمام تفصیل سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ کے اڑتیسویں باب میں ہے،
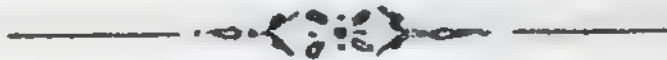
اخلاق و عادات

حسن خلق | نہایت خوش خلق اور نرم خو تھے، چند خاص لوگ تھے جن سے رات کو معاملات خلافت کے متعلق مشورہ لیا کرتے تھے، لیکن جب ان کا جی چاہتا کہ یہ لوگ یہاں سے اُٹھ جائیں تو صرف اس قدر کہتے کہ اگر آپ لوگ چاہیں،

ایک بار عبد اللہ بن حسن اپنی ضرورتوں کے لئے سلیمان بن عبد الملک کے پاس آئے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو واسطہ بنایا، اور اس لئے اکثر ان کے یہاں آنا جانا شروع کیا، ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اُن سے کہا کہ آپ میرے یہاں اسی وقت آیئے جب آپ کو اندر آنے کی اجازت مل سکے، کیونکہ مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ میرے دروازے پر آئیں اور آپ کو اذن نہ ملے"

ایک دن وہ آئے تو حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے کہا کہ "فوج میں ایک شخص مبتلاے طاعون ہوگیا ہے، آپ اپنے وطن کو تشریف لیجائیں کیونکہ آپ مجھے بہت عزیز ہیں[1]"

ایک بار چند آدمیوں کے پاس غلطی سے بغیر سلام کئے ہوئے بیٹھ گئے، یاد آیا تو اٹھ کر سب کو سلام کر لیا تو بیٹھے[2]

تواضع و مساوات | خلافت سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ایک مغرور اور جاہ پسند شخص تھے نہایت عمدہ کپڑے پہنتے تھے، نہایت عمدہ خوشبو لگاتے تھے، اور راہ میں اکڑتے ہوئے چلتے تھے، لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اُن کے اخلاق و عادات میں جو عظیم الشان انقلاب ہوا، اُس نے عجب و غرور کو تواضع و انکسار سے بدل دیا، جب وہ مدینہ کے گورنر تھے تو وضع قطع سے صاف معلوم ہوتا تھا

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ص ۶۲، ۶۳ [2] ایضاً ص ۶۴،

کہ یہ گورنر ہیں لیکن خلیفہ ہونے کے بعد کسی نے یہ نہ جانا کہ وہ خلیفہ ہیں،

خلیفہ ہونے کے بعد جب شاہانہ سواریاں آئیں تو ان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ "میرا خچر میرے لئے کافی ہے،، سوار ہو کر چلے تو کوتوال نے برچھا لیکر آگے آگے چلنا چاہا لیکن اسکو یہ کہکر ہٹا دیا کہ میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں، قصر خلافت میں داخل ہوئے تو تمام پردوں کو چاک چاک کرا دیا اور خلفاء کے لئے جو فرش بچھایا جاتا تھا اسکو فروخت کرا کے اسکی قیمت بیت المال میں داخل کروا دی[1]،

لوگ اُن کے سامنے کھڑے ہوئے تو فرمایا، لوگو! اگر تم کھڑے رہو گے تو ہم بھی کھڑے ہو جائینگے اور تم لوگ بیٹھو گے تو ہم بھی بیٹھیں گے، لوگوں کو صرف خدا کے سامنے کھڑا ہونا چاہئے[2]،

خلفائے بنو امیہ کا دستور تھا کہ جب کسی جنازہ میں شریک ہوتے تھے تو سب سے پہلے اُن کے بیٹھنے کے لئے ایک خاص چادر بچھائی جاتی تھی، ایک بار حضرت عمر بن عبد العزیز ایک جنازہ میں شریک ہوئے اور حسب معمول اون کے لئے بھی یہ چادر بچھائی گئی، لیکن وہ اس کو پاؤں سے ہٹا کر زمین پر بیٹھ گئے[3]، سرکاری پہرہ داروں کو تعظیم کے لئے اُٹھنے کی بالکل ممانعت کر دی تھی اور اُن کے ساتھ برابر بیٹھتے تھے[4]، وہ لوگ سلام میں مسابقت کرتے تھے، تو اُن سے کہتے تھے کہ تم لوگ پہلے سلام نہ کرو، بلکہ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم تم لوگوں کو پہلے سلام کریں[5]،

اُن کو عجب، غرور اور فخاری سے اس قدر نفرت تھی کہ جب خطبہ دیتے، یا کوئی تحریر لکھتے اور اس کے متعلق دل میں غرور پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا، تو خطبہ میں چپ ہو جاتے اور تحریر کو پھاڑ ڈالتے، اور فرماتے کہ خدایا میں اپنے نفس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں[6]،، فرمایا کرتے تھے کہ

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص۳۳-۳۴ [2] سیرۃ ابن عبد الحکم ص۳۷ [3] سیرت عمر بن عبد العزیز ص۵۵ [4] ایضاً ص۵۶ [5] سیرۃ ابن عبد الحکم ص۳۰ [6] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص۲۳،

فجاری کے خوف سے میں زیادہ نہیں بولتا۔[1]

اگرچہ وہ خلیفہ اور امیر المومنین تھے، مگر اپنے آپ کو ہمیشہ عمرؔ ہی سمجھا کئے، ایک بار ان کا ایک بھائی آیا اور کہا کہ "اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو عمرؔ سمجھ کر ایسی بات کہوں جو آج آپ کو ناپسند اور کل پسندیدہ ہو، ورنہ امیر المومنین سمجھ کر ایسی گفتگو کروں جو آج آپ کو محبوب اور کل مبغوض ہو"۔ بولے "مجھے عمرؔ ہی سمجھ کر وہ بات کہو جو آج مجھے ناپسند اور کل پسند ہو"۔

ایک بار رات کو رجاءؔ بن حیوۃ سے گفتگو فرما رہے تھے کہ دفعۃً چراغ جھلملانے لگا، پہلو ہی میں ایک ملازم سویا ہوا تھا، رجاءؔ نے کہا کہ اس کو جگا نہ دوں؟ بولے سونے دو،، انھوں نے کہا میں خود اٹھ کر چراغ کو ٹھیک کر دوں،، فرمایا مہمان سے کام لینا مروت کے خلاف ہے، بالآخر چادر رکھ کر خود ہی اوٹھے، برتن سے زیتون کا تیل لیا اور چراغ کو ٹھیک کر کے پلٹے تو کہا کہ "جب میں اٹھا تھا تب بھی عمرؔ بن عبد العزیز تھا اور جب پلٹا تب بھی عمرؔ بن عبد العزیز ہوں"

انھوں نے باوجود خلیفہ ہونے کے کبھی اپنے آپ کو عام مسلمانوں بلکہ لونڈی غلاموں سے بھی بالاتر نہیں سمجھا، ایک بار لونڈی ان کو پنکھا جھل رہی تھی کہ اسی حالت میں اُسکی آنکھ لگ گئی، انھوں نے خود پنکھا لے لیا، اور اس کو جھلنے لگے، وہ جاگی تو شور کیا، بولے تو بھی میری طرح ایک آدمی ہے، میری طرح تجھے بھی گرمی معلوم ہوئی، اس لئے میں نے چاہا کہ جس طرح تو نے مجھے پنکھا جھلا ہے میں بھی تجھے پنکھا جھل دوں"

جنازوں میں عموماً شریک ہوتے اور عام مسلمانوں کی طرح تابوت کو کاندھا دیتے ہوئے چلتے، ایک بار بارش کے دن میں ایک جنازہ کی نماز پڑھائی، اتفاقاً ایک مسافر آگیا، جس کے بدن پر چادر نہ تھی انھوں نے اُس کو بلا لیا اور اپنی چادر کا بچا ہوا حصہ اس کو اڑھا دیا،

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۳،

ایک بار ایک گرجے میں اُترے تو دیکھا کہ کچھ لوگ بہت سے طبق لئے جا رہے ہیں، پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ گرجے کا پادری لوگوں کی ضیافت کر رہا ہے، اس کے بعد ان کے سامنے ایک طبق پیش کیا گیا، جس میں پستہ اور بادام تھا، بولے اور تمام طبقوں میں بھی یہی ہے، لوگوں نے کہا کہ نہیں، بولے تو پھر اس کو واپس لے جاؤ۔[1]

خاکساری کی وجہ سے مداحی کو سخت ناپسند کرتے تھے، ایک بار کسی شخص نے اُن کے سامنے ان کی تعریف کی، تو بولے "مجھے جو حال اپنے نفس کا معلوم ہے، اگر تم کو معلوم ہوتا تو تم میرے چہرے کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔"

اس تواضع و فروتنی کا یہ اثر تھا کہ جو لوگ اُن کو شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے وہ ان کو پہچان ہی نہ سکتے تھے، حکم بن عمر الرعینی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز اس حلقہ سے اُٹھ کر اس حلقہ میں جا بیٹھتے تھے تو جو اجنبی لوگ آتے تھے وہ نا آشنایانہ پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کس حلقہ میں ہیں؟ لیکن جب تک انگلی سے اشارہ نہ کیا جاتا کہ یہ امیر المومنین ہیں وہ لوگ اُن کو پہچان نہ سکتے،

لیکن باوجود اس عجز و خاکساری کے خودداری کا سر رشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے، خلیفہ ہونے کے بعد اہل خاندان سے میل جول کم کر دیا تو ان میں بعض لوگوں نے کہا کہ "آپ مغرور ہو گئے" بولے "میں پہلے ایک لونڈا تھا خاندان کے لوگ بلا اجازت میرے پاس آتے تھے، میرے فرش کو روندتے تھے اور ایک ایسے شخص کے ساتھ جو حاکمانہ حیثیت نہ رکھتا ہو جو برتاؤ کیا جا سکتا ہے کرتے تھے، لیکن خلیفہ ہونے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ یا تو میں قدیم حالت کو قائم رکھنے کے ساتھ حق کی مخالفت پر ان کو سزا دوں، یا یہ کہ اُن سے اختلاط چھوڑ دوں،

---

[1] سیرت ابن عبد الحکم ص۴۵،

تاکہ خود ان کو اس کی جرأت نہ ہونے پائے، میں نے یہی آخری صورت اختیار کی ہے، ورنہ معزز تو صرف خدا کی چادر ہے، میں اس کے متعلق اس سے کیونکر جنگ کر سکتا ہوں[1]،

حلم | حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اگرچہ عنفوان شباب سے لے کر تا دم مرگ حاکمانہ حیثیت کے ساتھ زندگی بسر کی، تاہم وہ ہمیشہ حلیم، نرم خو اور متحمل مزاج رہے، ایک بار ایک خارجی نے سلیمان بن عبد الملک کو بُرا بھلا کہا جس کی پاداش میں اُس نے اسکو قتل کروا دیا، لیکن قتل سے پہلے جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ "آپ بھی اسکو بُرا بھلا کہہ لیجئے[2]"

سلیمان بن عبد الملک کی زندگی میں تو یہ ان کا مشورہ تھا، لیکن اس کی وفات کے بعد جب خود خلیفہ ہوئے تو اس پر عمل کرنے کا وقت آیا، چنانچہ ایک بار اون کے عامل عبد الحمید بن عبد الرحمٰن نے ان کو لکھا کہ میرے اجلاس میں ایک شخص اس جرم میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ آپ کو گالیاں دیتا ہے، میں نے اس کی گردن اڑا دینی چاہی تھی، لیکن پھر اس خیال سے قید کر دیا کہ اس بارے میں آپ کی رائے لے لوں، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جواب میں لکھا کہ اگر تم اس کو قتل کر دیتے تو میں تم سے قصاص لیتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے گالی دینے پر کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اگر تمھارا جی چاہے تو اس کو گالی دے لو، ورنہ رہا کر دو[3]"

ایک بار وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو، یہ سن کر صرف اس قدر بولے کہ "تم جھوٹے گواہ ہو میں تمھاری شہادت کو قبول نہیں کرتا"

ایک بار کسی نے ان کو کلمات نا ملائم کہے، لوگ بولے کہ آپ کیوں چپ ہیں؟ فرمایا کہ

---

[1] یہ تمام واقعات سیرت عمر بن عبد العزیز از ص۳۷ تا ص۴۱ میں درج ہیں [2] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص۳۹،

[3] [illegible] حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ص۲۴۱،

تقویٰ نے منھ میں لگام لگادی ہے "

ایک بار کسی نے ایک آدمی کی نسبت ان سے کہاکہ یہ آپ کو گالی دیتا ہے، اُنھوں نے اُس کی طرف سے منھ پھیرلیا، اُس نے پھر کہا، اب کی بھی روگردانی کی، اُس نے تیسری بار کہا تو بولے کہ عمرؔ اس کو اس طرح ڈھیل دے رہا ہے کہ اسکو خبر تک نہیں ہوتی "

ایک بار وہ سوار جارہے تھے کہ ایک پاپیادہ شخص سواری کی جھپیٹ میں آگیا، اور اس نے غصہ کی حالت میں کہاکہ دیکھ! تو دیکھتا نہیں، جب سواریاں نکل گئیں تو اُس نے کہا کیا کوئی ہے جو مجھے اپنے پیچھے بٹھالے؟ حضرت عمرؔ بن عبدالعزیزؓ نے اپنے غلام سے کہاکہ اسکو چشمہ تک لیئے چلو"

ایک بار رات کو مسجد میں گئے، ایک شخص سورہا تھا، اندھیرے میں اسکو ان کے پاؤں کی ٹھوکر لگ گئی تو اُس نے چھلاکر کہا کیا تم پاگل ہو؟ بولے "نہیں" چپراسی نے اس گستاخی پر اس کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت عمرؔ بن عبدالعزیزؓ نے روک دیا اور کہاکہ اُس نے مجھ سے صرف یہ پوچھا تھاکہ تم پاگل ہو، میں نے جواب دیدیا کہ "نہیں"

ایک بار ان کو کسی شخص نے سخت بات کہی، بولے "تو چاہتا ہے کہ حکومت کے غرور میں میں بھی تیرے ساتھ وہی سلوک کروں جو تو کل (قیامت کے دن) میرے ساتھ کرے گا" یہ کہہ کر اسکو معاف کردیا،

ایک بار وہ قیلولہ کرنے کے لئے اٹھے، ایک آدمی ہاتھ میں کاغذ کا پلندہ لئے ہوئے بڑھا اور پلندے کو ان کی طرف پھینک دیا، اُنھوں نے مڑکے دیکھا تو پلندہ منھ پر جاکے گرا، اور رخساروں پر چوٹ لگی، اور گالوں سے خون جاری ہوگیا، لیکن اُنھوں نے نہایت خاموشی کیساتھ اُس کی عرضی پڑھی، اور اس کی حاجت کو پورا کیا،

ایک بار ایک بچے نے ان کے کسی لڑکے کو مارا، لوگ اُس کو اُن کی بی بی فاطمہ کے پاس

لے گئے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ دوسرے کمرے میں تھے شور سنا تو کمرے سے نکل آئے، اس کے بعد ایک عورت آئی اور کہا کہ یہ میرا بچہ ہے اور یہ یتیم ہے،، انھوں نے پوچھا کہ اس یتیم بچہ کو وظیفہ ملتا ہے؟ بولی،،نہیں،، فرمایا کہ اس کا نام وظیفہ خوار بچوں میں لکھ لو،، فاطمہ نے کہا کہ،، اگر میرے بچے کو دوبارہ نہ مارے تو اس کے ساتھ خدا یہ سلوک کرے،، بولے،، تم نے اس کو گھبرا دیا،،

ایک بار ایک شخص پر سخت برہم ہوئے اور اس کو برہنہ کر کے کوڑے لگوانے چاہے، لیکن جب کوڑا لگانے کا وقت آیا تو بولے کہ اس کو رہا کر دو، اگر میں غصہ میں نہ ہوتا تو اس کو سزا دیتا، پھر یہ آیت پڑھی، والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس[1]،

صبر| ایک زمانے میں حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز پر دفعۃً مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، یعنی ان کے سب سے زیادہ محبوب لڑکے عبد الملک، سب سے زیادہ عزیز بھائی سہل بن عبدالعزیزؒ، اور سب سے زیادہ وفادار خادم مزاحم نے چند ہی دنوں کے وقفہ میں انتقال کیا، لیکن حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس حالت میں صرف یہی نہیں کہ سر رشتہ صبر و سکون کو ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا بلکہ اس موقع پر وہ استقامت دکھائی کہ لوگوں کو ان کے ضبط و تحمل پر تعجب ہوا، وہ عبدالملک کو دفن کر رہے تھے کہ ایک شخص نے بائیں ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا کہ،، خدا امیر المومنین کو اس صبر پر اجر دے،، بولے گفتگو میں بائیں ہاتھ سے اشارہ نہ کرو، داہنے سے کرو، اس نے کہا کہ میں نے آج سے زیادہ تعجب انگیز واقعہ ہی نہیں دیکھا، ایک شخص اپنے محبوب ترین فرزند کو دفن کر رہا ہے، پھر اس کو دائیں بائیں ہاتھ کا بھی خیال ہے،

لوگ ان کی وفات پر تعزیت میں کتنے ہی رقت خیز فقرے استعمال کرتے لیکن وہ ان کے جواب میں ہمیشہ صبر و شکر کا اظہار فرماتے، ایک بار ربیع بن سبرہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ

---

[1] یہ تمام واقعات سیرۃ عمرؓ بن عبد العزیزؒ ص۲۰۲ تا ص۲۰۸ میں ہیں،

خداوند تعالیٰ آپ کو اجر جزیل دے، مجھے کوئی شخص نظر نہیں آتا کہ چند روز کے وقفہ میں اتنی عظیم انسان مصیبتوں میں مبتلا ہوا ہو، خدا کی قسم میں نے آپ کے بیٹے کا سا بیٹا، آپ کے بھائی کا سا بھائی اور آپ کے غلام کا سا غلام نہیں دیکھا، یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے گردن جھکا لی، ربیع کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا تم نے امیر المومنین کو بے قرار کر دیا، اب حضرت عمرؓ ابن عبدالعزیز نے سر اٹھایا، اور کہا کہ ربیع تم نے کیا کہا؟ انھوں نے دوبارہ انہی فقروں کا اعادہ کیا، بولے اس ذات کی قسم جس نے ان کی موت کا فیصلہ کیا، میں یہ نہیں پسند کرتا کہ یہ واقعات نہ ہوتے، عبدالملک کی وفات کے بعد جو خطبہ دیا اس میں کہا کہ بچپن سے آج تک وہ میرے دل کی مسرت اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھے، لیکن آج سے زیادہ وہ میری آنکھوں میں کبھی خنک نہیں معلوم ہوئے، ان کی وفات پر تمام ممالک محروسہ میں حکم بھیجا کہ ماتم و نوحہ نہ کیا جائے،[۱]

ورع و دیانت ایک خلیفہ کی حفاظت میں سب سے زیادہ اہم امانت جو آتی ہے، وہ بیت المال یعنی خزانہ ہے، اس لئے اس کی دیانت کا اصلی معیار اسی کو قرار دیا جا سکتا ہے، اور واقعات بتاتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی دیانت ہمیشہ اس معیار پر ٹھیک اتری،

وہ رات کو خلافت کا کام بیت المال کی شمع سامنے رکھ کر انجام دیتے تھے، لیکن جب اپنا کام کرنا ہوتا تو اس شمع کو اٹھوا دیتے، اور ذاتی چراغ منگوا کر کام کرتے،[۲]

فرات بن مسلمہ ہر جمعہ کو ان کی خدمت میں سرکاری کاغذات پیش کیا کرتے تھے، ایک دن انھوں نے کاغذات دکھائے تو انھوں نے اس میں سے بقدر ایک بالشت کے سادہ کاغذ لے لیا اور اپنے ذاتی کام میں لائے، چونکہ فرات کو ان کی دیانت کا حال معلوم تھا، اس لئے انھوں نے دل میں کہا کہ امیر المومنین سے بھول چوک ہو گئی، دوسرے دن انھوں نے ان کو

---

[۱] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۵ [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ، صفحہ ۲۹۵،

مع کاغذات کے طلب کیا، وہ آئے تو ان کو کسی دوسرے کام کے لئے بھیجدیا، وہ پلٹے تو بولے کہ ابتک تمھارے کاغذات کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا اس وقت جاؤ پھر بلاؤں گا، انھوں نے گھر جاکر کاغذات کھولے، تو جتنا کاغذ کل لیا تھا، اتنا اس میں موجود پایا،

فقراء و مساکین کے لئے بیت المال کے مصارف سے جو مہمان خانہ قائم کیا تھا اس سے نہ خود فائدہ اٹھاتے تھے، نہ خاندان میں کسی شخص کو فائدہ اُٹھانے دیتے تھے، عام طور پر حکم دے رکھا تھا کہ ہمارے غسل اور وضو کا پانی مہمان خانہ کے باورچی خانہ میں گرم نہ کیا جائے، ایک بار ان کی لاعلمی میں ملازم نے ایک ماہ تک وضو کا پانی مطبخ عام میں گرم کیا، ان کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کردی[1]،

ایک بار سرکاری کوئلے سے گرم کیا ہوا پانی وضو کے لئے آیا تو وضو کرنے سے انکار کردیا،

ایک بار غلام کو گوشت کا ایک ٹکڑا بھوننے کے لئے دیا وہ سرکاری باورچی خانہ سے بھون لایا تو بولے کہ تمھیں کھاؤ یہ تمھاری قسمت میں لکھا ہوا تھا، میری قسمت میں نہ تھا،

ایک دن گھر میں آئے تو دیکھا کہ لونڈی ایک پیالے میں تھوڑا سا دودھ لئے ہوئے ہے بولے یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کی زوجہ حمل سے ہیں ان کو دودھ کی خواہش ہوئی اور حمل کی حالت میں اگر عورت کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہو اور وہ پوری نہ کی جائے تو اس سے اسقاط حمل کا اندیشہ ہو جاتا ہے، اس لئے میں یہ دودھ دارالضیافۃ سے لائی ہوں، انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چیختے ہوئے بی بی کے پاس لے گئے اور کہا کہ اگر حمل کو فقراء اور مساکین کے کھانے کے سوا کوئی چیز قائم نہیں رکھ سکتی تو خدا اس کو قائم نہ رکھے، اب بی بی نے لونڈی سے کہا کہ اس کو واپس کر آؤ میں اُسے نہ کھاؤں گی[2]،

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۸۵،۲۸۴ [2] ایضاً ص ۲۷۹،

یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ اگر آپ خود مہمان خانہ کے کھانے سے احتراز کریں گے تو اور لوگوں کو بھی احتراز ہوگا، اب وہ باورچی خانہ میں معاوضہ داخل کرکے لوگوں کے ساتھ شریک طعام ہونے لگے،

ایک بار انھوں نے اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ مجھے ایک رحل خرید دو، وہ ایک رحل لائے جس کو انھوں نے بہت پسند کیا، اور بولے کہ اسکو کہاں سے لائے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے سرکاری مال خانے میں یہ لکڑی پائی اور اسی کی یہ رحل بنوائی، بولے جاؤ بازار میں اسکی قیمت لگواؤ، وہ گئے تو لوگوں نے نصف دینار قیمت لگائی، انھوں نے پلٹ کر خبر دی، تو انھوں نے کہا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ ہم بیت المال میں ایک دینار داخل کردیں، تو ہم ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے، انھوں نے کہا کہ قیمت تو نصف دینار لگائی گئی ہے، بولے بیت المال میں دو دینار داخل کردو[۱]،

ایک بار بیت المال سے مشک نکال کر ان کے سامنے رکھا گیا، انھوں نے اس خوف سے کہ خوشبو دماغ میں پہونچ جائے گی، ناک بند کرلی، اس پر ان کے ایک ہمنشین نے کہا کہ اگر آپ خوشبو سونگھ لیتے تو آپ کا کیا بگڑتا، بولے مشک خوشبو کے سوا اور کس فائدہ کے لئے خریدا جاتا ہے،

ایک بار ایک شخص نے ان کی خدمت میں کھجوریں روانہ کیں، آدمی کھجوریں سامنے لایا تو پوچھا ان کو کس چیز پر لائے ہو، اس نے کہا کہ ڈاک کے گھوڑوں پر، چونکہ ڈاک کا تعلق سرکاری چیزوں سے تھا، اس لئے حکم دیا کہ کھجوروں کو بازار میں لیجا کر فروخت کرلاؤ، وہ بازار میں آیا تو ایک مروانی نے اُس کو خرید لیا، اور پھر حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں ہدیۃً

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز ؓ ص۲۰۲،

بھیجا، جب کھجوریں سامنے آئیں تو بولے کہ یہ تو وہی کھجوریں ہیں، یہ کہہ کر کچھ سامنے کھانے کے لئے رکھ لیں اور کچھ گھر میں بھیجدیا، لیکن بیت المال میں قیمت داخل کردی،

ایک بار اُنھوں نے لبنان کے شہد کا شوق ظاہر کیا، ابن سعدی کرب وہاں کے عامل تھے ان کی بی بی نے ان کو کہلا بھیجا اور اُنھوں نے وہاں سے بہت سا شہد بھیجدیا، شہد سامنے آیا تو بی بی کی طرف خطاب کرکے کہا کہ غالباً تم نے معدی کرب کے ذریعہ سے اس کو منگوایا ہے، پھر اس کو فروخت کرواکے بیت المال میں قیمت داخل کروادی، اور معدی کرب کو لکھا کہ اگر تم نے دوبارہ ایسا کام کیا تو میں تمھارا منہ بھی دیکھنا پسند نہ کرونگا،

ایک بار اُن کی بی بی نے ڈاک کی سواری پر ایک آدمی کو روانہ کیا اور وہ دو دینار کا شہد خرید لایا، شہد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے آیا اور یہ واقعہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے اس کو فروخت کرڈالا اور دو دینار واپس لے کر بقیہ قیمت بیت المال میں داخل کردی، اور کہا کہ تم نے مسلمانوں کے جانور کو عمر کے لئے تکلیف دی، دوسری روایت میں ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ اگر مسلمانوں کو میری قے سے فائدہ پہنچ سکتا تو میں قے کردیتا،

ایک بار سرکاری سیب تقسیم فرمارہے تھے ان کا ایک صغیر السن بچہ آیا اور ایک سیب اٹھاکر کھانے لگا، اُنھوں نے سیب کو اس کے ہاتھ سے نہایت سختی کے ساتھ چھین لیا، بچہ روتا ہوا ماں کے پاس آیا، اُس نے بازار سے سیب منگاکر اسکو دیدیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ گھر میں آئے تو سیب کی خوشبو سونگھ کر بولے کہ کہیں سرکاری سیب تو گھر میں نہیں آئے، ان کی بی بی نے واقعہ بیان کیا تو بولے کہ میں نے سیب اپنے بچے سے چھینا تو گویا اپنے دل سے چھینا، لیکن مجھے یہ پسند نہ آیا کہ خدا کے سامنے مسلمانوں کے سیب کے لئے اپنے آپ کو برباد کردوں[۱]

[۱] یہ تمام واقعات سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے چھبیسویں باب میں مذکور ہیں،

ایک باران کی لڑکی نے ایک موتی بھیجا اور کہا کہ اس کا جوڑا بھیج دیجئے تاکہ میں کانوں میں ڈالوں، اُنھوں نے اس کے پاس آگ کی دو چنگاریاں بھیجدیں اور کہا کہ اگر تم ان چنگاریوں کو کان میں ڈال سکو تو میں اُس موتی کا جوڑا بھیجدوں[1]،

خناصرہ میں اگرچہ اگلے خلفار نے بہت سے مکانات بنوائے تھے، لیکن چونکہ وہ بیت المال کی آمدنی سے تعمیر ہوئے تھے، اس لئے جب وہاں گئے تو اُن مکانات میں اترنا پسند نہیں کیا، اور میدان میں قیام کیا[2]،

جرأت وآزادی | خلافت سے پہلے اگرچہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز ہمیشہ خلفار کے ماتحت اور زیر اثر رہے، تاہم اُنھوں نے خلفار کے سامنے ہر موقع پر اپنی آزادی کو قائم رکھا،

ولید بن عبدالملک نے ان سے سلیمان بن عبدالملک کی بیعت فسخ کرانی چاہی تو انھوں نے صاف انکار کیا اور کہا کہ اے امیرالمومنین ہم نے ایک ساتھ تم دونوں کی بیعت کی ہے اس لئے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس کی بیعت فسخ کردیں، اور تمھاری قائم رکھیں،

ایک بار حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز اور سلیمان بن عبدالملک کے غلاموں میں لڑائی ہوئی، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز سلیمان کے پاس گئے تو اُس نے کہا یہ کیا بات ہے کہ تمھارے غلاموں نے ہمارے غلاموں کو مارا؟ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے کہا کہ مجھے آپ کے کہنے سے پیشتر اس واقعہ کی خبر نہ تھی، سلیمان نے کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں، بولے تم کہتے ہو کہ میں جھوٹ کہتا ہوں حالانکہ جب سے مجھے ہوش ہوا میں جھوٹ نہیں بولا، خدا کی زمین وسیع ہے جو آپ کی صحبت سے بے نیاز کر سکتی ہے، یہ کہہ کر وہاں سے اٹھے اور مصر کا ارادہ کیا، بالآخر سلیمان نے خود ان کو منا کر بلایا،

---

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص۱۶۳ [2] یعقوبی جلد ۲ ص۳۶۶،

ایک بار سلیمان بن عبد الملک کے پاس اس کا بیٹا ایوب جس کو اس نے ولی عہد بنایا تھا بیٹھا ہوا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ آئے تو ایک آدمی نے بعض خلفاء کی بیویوں کی وراثت طلب کی، سلیمان نے کہا کہ عورتیں جائداد نہیں پاتیں، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے سنا تو نہایت تعجب سے بولے، سبحان اللہ قرآن مجید کہاں ہے؟ سلیمان نے غلام کو بلایا اور کہا کہ عبد الملک نے اس کے متعلق جو تحریر لکھی ہے وہ اٹھا لاؤ، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے طنزاً یہ کہا کہ گویا تم قرآن منگواتے ہو، ایوب نے یہ طعنہ سنا تو بولا کہ امیر المومنین کی خدمت میں اگر کوئی شخص اس قسم کی باتیں کریگا تو ممکن ہے کہ دم زدن میں اس کی گردن اڑا دی جائیگی حضرت عمر بن عبد العزیزؓ بولے کہ اگر تم خلیفہ ہو گے تو رعایا کو اس سے بھی زیادہ صدمہ پہونچیگا سلیمان نے یہ گفتگو سنی تو ایوب کو ڈانٹا کہ عمر سے اس قسم کی باتیں کرتے ہو، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے کہا کہ ہم نے بھی تو کھری کھری سنائی،

اسی جرأت و آزادی کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ خلفاء کو ہر قسم کی اخلاقی نصیحتیں کرتے تھے، اور ان کی ناراضی کی ان کو مطلق پروا نہیں ہوتی تھی، چنانچہ انھوں نے ایک بار عبد الملک بن مروان کو ایک خط میں لکھا کہ

> "تو ایک چرواہا ہے، اور ہر چرواہے سے اس کے مویشیوں کے متعلق سوال ہوگا، انس بن مالکؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے، کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، خدائے واحد، تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا، اور خدا سے زیادہ صادق البیان کون ہو سکتا ہے"

ایک بار سلیمان بن عبد الملک حج کے لئے روانہ ہوا، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ بھی ساتھ تھے، مقام عسفان کے قریب پہونچ کر اس نے اپنا لاؤ لشکر اور خیمہ خرگاہ دیکھا تو عجب و غرور

کے نشہ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے پوچھا کہ تم کو یہ چیزیں کیسی نظر آتی ہیں، بولے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دنیا کو کھا رہی ہے، تم سے اس کا سوال اور مواخذہ کیا جائیگا۔ عرفات میں قیام کیا تو بادل آیا اور بجلی اس زور سے چمکنے لگی کہ سلیمان سہم کر اونٹ کے کجاوے پر سرنگوں ہو گیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ یہ بادل تو رحمت لے کر آیا ہے، اگر عذاب لے کر آیا ہوتا تو کیا حال ہوتا؟ اس کے بعد سلیمان نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا کہ کتنے آدمی جمع ہیں، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ یہ تمھارے فریق ہیں،

ایک صحرا میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ پیش آیا، تو سلیمان نے گھبرا کر ایک لاکھ درہم حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو صدقہ کرنے کے لئے دیئے کہ اس کی برکت سے رعد و برق کی یہ آفت ٹل جائے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا اس سے بہتر ایک کام ہے، سلیمان نے کہا وہ کیا؟ بولے بعض لوگ جن کی جائداد مغصوبہ تمھارے پاس ہے انھوں نے تمھارے ساتھ آنا چاہا لیکن اب تک نہ پہونچ سکے، سلیمان نے ان کے تمام مال و جائداد واپس کر دیئے،[۱]

وقار | متانت اور سنجیدگی کی وجہ سے شور و غل کو نہایت ناپسند کرتے تھے، ایک بار ایک شخص نے ان کے پاس بلند آواز سے گفتگو کی تو فرمایا کہ یہ صرف کافی ہے کہ انسان کی بات اس کا ہمنشین سن لے،

مذاق کو نہایت ناپسند کرتے تھے، ایک بار خاندان بنو امیہ کے چند لوگ جمع ہوئے اور ان کے سامنے ظرافت آمیز گفتگو شروع کی، بولے تم لوگ اسی لئے جمع ہوئے ہو صحبتوں میں قرآن مجید کے متعلق گفتگو کرو ورنہ کم از کم شریفانہ باتیں تو ضرور ہونا چاہئیں،[۲]

جن اعضاء کے نام لینے سے شرم آتی ہے، ان کا نام نہیں لیتے تھے، ایک بار بغل میں

---

[۱] یہ تمام واقعات سیرۃ عمر بن عبد العزیز کے آٹھویں باب میں مذکور ہیں [۲] سیرۃ عمر بن عبد العزیز صفحہ ۲۴۳

پھوڑا نکلا، لوگوں نے پوچھا کہ کہاں پھوڑا نکلا ہے، چونکہ بغل کا نام لینا پسند نہیں کرتے تھے، اسلئے کہا کہ میرے ہاتھ کے باطن میں[۱]،

اسی طرح ایک صحبت میں ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تیری بغل کے نیچے، بولے، اس سے بہتر طریقے سے گفتگو کیوں نہیں کرتے لوگوں نے کہا کہ وہ کیا، فرمایا ہاتھ کے نیچے کہنا زیادہ بہتر تھا[۲]

رحمدلی | مزاج میں نہایت رحم تھا، ایک بار ایک بدو نے پر درد الفاظ میں اپنی حاجت کا اظہار کیا، تو رو پڑے، یہ رحم صرف انسانوں تک محدود نہ تھا، بلکہ ان کو جانوروں تک کی تکلیف گوارا نہ تھی، اون کے پاس ایک خچر تھا، جس کو ان کا غلام کرایہ پر چلاتا تھا، کرایہ کی آمدنی معمولاً روزانہ ایک درہم تھی، ایک دن غلام ڈیڑھ درہم لایا، تو بولے کہ یہ اضافہ کیونکر ہوا؟ اوس نے کہا کہ آج بازار تیز تھا، بولے نہیں تم نے جانور سے زیادہ کام لیا، اسکو اب تین دن آرام لینے دو[۳]،

ڈاک کے جانوروں کے متعلق حکم دیا تھا کہ ان کے کوڑے کی نوک میں چبھنے والا لوہا نہ لگایا جائے، اور ان کے منھ میں بھاری لگام نہ دی جائے[۴]،

مصر کے عامل حیان کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ مصر میں باربرداری کے اونٹوں پر ہزار رطل وزن کا بوجھ لادا جاتا ہے، اب میرے اس خط کے پہنچنے کے بعد مجھ کو یہ نہ معلوم ہو کہ کسی اونٹ پر چھ سو رطل سے زیادہ کا بوجھ لادا گیا[۵]،

شرم وحیا | مزاج میں سخت شرم وحیا تھی، حمام میں جاتے تھے، تو بعض خدام اور بعض بچوں کے سوا اندر کوئی نہیں جا سکتا تھا[۶]،

نصیحت پذیری | سلاطین کو خود بینی پند و موعظت کے قبول کرنے سے باز رکھتی ہے، لیکن

---

[۱] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص۶۴ [۲] ایضاً ص۲۳ [۳] ایضاً ص۶۹ [۴] کتاب الخراج ص۱۱۵،

[۵] سیرۃ ابن عبدالحکم ص۱۲۶ [۶] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص۶۵،

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے ایک اثر پذیر دل پایا تھا، اور اس کے ساتھ ان کو یقین تھا کہ خلافت کا بوجھ ایک ایسا بوجھ ہے جو اگر دیانت کے ساتھ اٹھایا جائے تو تنہا نہیں اُٹھ سکتا، اس لئے وہ علمار سے نصیحت کے طالب ہوتے تھے اور ان کی نصیحتوں سے شدت کے ساتھ متاثر ہوتے تھے، ایک بار امام حسن بصری کو لکھا کہ مجھے اختصار کے ساتھ نصیحت کیجئے، چنانچہ اُنھوں نے مختصر الفاظ میں چند نصیحتیں کیں،

ایک بار تمام فقہائے عراق کو اس غرض سے طلب فرمایا، سب لوگ آئے لیکن امام بصری نے علالت کا عذر کیا اور ایک نصیحت آمیز خط بھیجا، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کو وہ خط ملا تو آنکھوں سے لگایا، اور اس کے مضمون سے اس قدر متاثر ہوئے کہ رو پڑے،

جب خلیفہ ہوئے تو حضرت سالم بن عبداللہ اور محمد بن کعب اون کے پاس گئے، وہ باری باری دونوں سے نصیحت کے طالب ہوئے، اُنھوں نے نصیحتیں کیں تو شدت تاثیر سے رو پڑے، ایک بار ان کے سامنے آتشدان رکھا ہوا تھا، اسی حالت میں ایک شخص آیا، تو اُس سے اُنھوں نے نصیحت کی درخواست کی، اُس نے نصیحت کی تو اس قدر روئے کہ آتشدان کی آگ آنسوؤں سے بجھ گئی، بعض علمار خود جاتے اور اُن سے نصیحت کرنے کی خواہش کرتے وہ بخوشی اجازت دیتے اور وہ نصیحت کرتے، ایک بار ابن اہتم اون کی خدمت میں گئے اور کہا کہ آپ کو مسرور کروں، بولے "نہیں،، کہا نصیحت کروں، بولے ہاں، چنانچہ اُنھوں نے ایک عام خطبہ دیا جس میں خصوصیت کے ساتھ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی طرف خطاب کیا،

علمار نے ان کو جو جو نصائح کئے ہیں، ان سب کو علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب کے اکیسویں باب میں جمع کر دیا ہے، لیکن نہایت افسوس ہے کہ یہ مجموعۂ پند و موعظت ایک ایسے شخص کے لئے موزوں نہیں ہے، جو دیندار ہونے کے ساتھ دنیا دار بھی ہو، ان نصیحتوں میں

اُس دنیا کا تو بہت ذکر آیا ہے، لیکن اس عالم سے آنکھیں بند کر لی ہیں، حالانکہ ایک خلیفہ یا بادشاہ کی اصلی سعادت گاہ یہی دنیا ہے،

زہد و تقشف | خلافت کے سلسلے نے سلیمان بن عبد الملک تک پہونچ کر قیصر و کسریٰ کا قالب اختیار کر لیا تھا، اور خود حضرت عمرؓ بن عبد العزیز خلافت سے پہلے اسی ٹھاٹھ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، چنانچہ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں،

کان اذذاک لایذکر بکثیر عدل ولا زھد	وہ اس وقت عدل و زہد میں کچھ ایسے مشہور نہ تھے،

مدینہ کے گورنر مقرر ہو کر روانہ ہوئے تو ۳۰ اونٹ ذاتی ساز و سامان سے لدے ہوئے ساتھ ساتھ تھے، رجاء بن حیوۃ کا بیان ہے،

کان عمر بن عبد العزیز من اعطی الناس والبس الناس واخیلھم فی مشیتہ[1]	عمر بن عبد العزیز سب سے زیادہ خوش پوشاک سب سے زیادہ خوشبو لگانے والے اور سب سے زیادہ مغرورانہ انداز سے چلنے والے تھے،

سیرۃ ابن عبد الحکم (ص۲۱) میں ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز امویوں میں سب سے زیادہ عیش پسند تھے، جس راستے سے گذرتے اوس میں خوشبو پھیل جاتی، اُن کی مغرورانہ چال کا نام ہی عمری چال پڑ گیا تھا، اور اس کے حسن اور تبختر سے لونڈیاں اس کی نقل کرتی تھیں، خلیفہ ہونے کے بعد انھوں نے سب کچھ چھوڑ دیا، لیکن اس چال کو نہ چھوڑ سکے، ان کی تہ بند اس قدر نیچے لٹکتی تھی کہ جوتے کے اندر داخل ہو جاتی تھی، چادر کا گوشہ شانے سے گر جاتا تھا، لیکن وہ اسکو نہیں اُٹھاتے تھے، ہر چیز کے بجائے عنبر سے لگاتے تھے،

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص۱۵۱،

ان کی خوشبو میں بوریوں لونگ ڈالی جاتی تھی، اور داڑھی پر نمک کی طرح عنبر چھڑکتے تھے[۱]،
ریاح بن عبیدہ کہتے ہیں کہ گورنری مدینہ کے زمانہ میں اُنھوں نے مجھے ایک جبہ خریدنے کا حکم دیا،
میں دس اشرفی پر خرید لایا، تو اس کو چھو کر بولے کہ مجھے اس میں کرختگی محسوس ہوتی ہے[۲]، خود حضرت
عمر بن عبدالعزیز رضی کو اپنی عیش پرستی کا اعتراف تھا، چنانچہ فرماتے ہیں:-

ثم تاقت نفسی ... الی اللبس والعیش	پھر مجھے لباس خوشبو، اور عیش پرستی کا شوق
والطیب فما علمت ان احداً من	پیدا ہوا تو میری دانست میں نہ میرے خاندان
اھل بیتی ولا غیرھم کان فی	میں اور نہ دوسرے خاندان میں کوئی شخص اس طرح
مثل ما کنت فیہ[۳]	امیرانہ زندگی بسر کرتا تھا جس طرح کہ میں،

لباس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ جب میرے کپڑوں کو لوگ دیکھ لیتے تھے تو میں سمجھتا تھا
کہ یہ پرانا ہو گیا[۴]،

لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اون کی حالت میں دفعۃً انقلاب پیدا ہوا، پہلے وہ
عمر بن عبدالعزیز تھے، اب عمر بن الخطاب ہو گئے، حسن بصری ہو گئے، امام زہری ہو گئے، چنانچہ
علامہ ذہبی اون کی قدیم حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

ولکن تجدد لہ لما استخلف قلبہ	لیکن جب خلیفہ ہوئے تو خداوند تعالیٰ نے
اللہ فصار بعد فی حسن السیرۃ	انکو بالکل نئے قالب میں بدل دیا، اب وہ عدل
والقیام بالقسط مع جدہ لامہ	و انصاف میں اپنے نانا عمر کے، زہد میں
عمر وفی الزھد مع الحسن البصری	حسن بصری کے اور علم میں امام زہری
وفی العلم مع الزھری،	کے مثل ہو گئے،

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۵ و ۱۶ [۲] ایضاً صفحہ ۱۵ [۳] ایضاً صفحہ ۲۶ [۴] ایضاً صفحہ ۲۶،

رجاء بن حیوۃ جنھوں نے اون کی قدیم حالت کو دیکھا تھا، فرماتے ہیں کہ خلیفہ ہونے کے بعد ان کے لباس یعنی عمامہ، قمیص، قبا، کرتہ، موزہ اور چادر وغیرہ کی قیمت لگائی گئی تو صرف ۱۲ درہم ٹھہری[۱]

ریاح بن عبیدہ جنھوں نے دس اشرفی کا جبہ خرید کر ان کے سامنے پیش کیا تھا، اور وہ انکو کرخت معلوم ہوتا تھا، اُن کا بیان ہے کہ خلافت کے بعد میں ان کے لئے اُن کا ایک جبہ صرف ایک اشرفی پر خرید کر لایا تو انھوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ کس قدر نرم ہے[۲]،

اُن کا بیان تھا کہ میرا دل خوشبو اور لباس کا مشتاق ہوا تو میں نے اس معاملہ میں اپنے تمام خاندان پر تفوق حاصل کیا، لیکن اس کے بعد خود ان کا بیان ہے کہ میرا دل آخرت کی طرف مائل ہوا، اور اب میں آخرت کو دنیا کے مقابل میں برباد کرنا نہیں چاہتا[۳]

یونس بن شبیب جنھوں نے ان کو خلافت سے پہلے اس حالت میں دیکھا تھا کہ توند نکلی ہوئی تھی؛ اون کا بیان ہے کہ خلافت کے بعد اگر میں گننا چاہتا تو بغیر چھوئے ہوئے اون کی پسلیوں کو گن سکتا تھا[۴]،

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز جس وقت بادشاہ نہ تھے اس وقت سب سے بڑے بادشاہ تھے، اور جب تاج خلافت سر پر رکھا تو بالکل راہب ہوگئے؛ خدم و حشم، عطر و لباس اور دوسرے سامان آرائش کو ۲۳ ہزار دینار پر فروخت کرکے خدا کی راہ میں دیدیا[۵]

چنانچہ جب اصطبل خانوں کے داروغہ آئے، اور گھوڑوں اور سائیسوں کا خرچ مانگا تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے اون کو مختلف صوبوں میں بھیجدیا کہ فروخت کرکے اون کی قیمت خدا کی راہ میں دیدیجائے، غلاموں کے لئے تنخواہ وغیرہ کا سوال ہوا تو تمام صوبوں کے اندھے اپاہج

---

[۱] سیرۃ عمرؓ بن عبد العزیز ص ۱۳۶ [۲] ایضاً ص ۱۳۶، یہی روایت کسی قدر اختلاف کے ساتھ سیرت ابن عبد الحکم ص ۱۳۶ میں موجود ہے [۳] سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ص ۲۲ [۴] ایضاً ص ۱۵۳ [۵] طبقات ابن سعد ص ۲۵۴،

اور یتیم جمع کرائے اور ان غلاموں کو اون پر تقسیم کردیا[۱]، اور خود وہ ابراہیم ادہم بن گئے، جس کا اثر ان کے تمام مظاہر زندگی سے نمایاں ہوتا تھا،

لباس | کپڑا نہایت سادہ اور معمولی درجہ کا پہنتے تھے، اور اون میں متعدد پیوند لگے رہتے تھے، ایک بار قمیص کے گریبان میں آگے اور پیچھے دونوں طرف پیوند لگے ہوئے تھے، نماز جمعہ پڑھاکر بیٹھے تو ایک شخص نے کہا کہ اے امیرالمومنین خدا نے آپ کو سب کچھ دیا ہے، کاش آپ عمدہ کپڑے پہنتے، یہ سنکر تھوڑی دیر تک گردن جھکالی، پھر سر اٹھاکر کہا، میانہ روی تمول کی حالت میں، اور عفو و درگذر قدرت کی حالت میں بہتر ہے[۲]،

ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے اون کو ایک ایسی قمیص پہنے ہوئے دیکھا جس کے پورے دونوں شانوں کے درمیان پیوند لگا ہوا تھا[۳]،

اکثر اوقات جسم پر صرف ایک کپڑا رہتا تھا ورا وسی کو بار بار دھوکر پہنتے تھے، میمون کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک چادر ۶ مہینے تک نہیں بدلی، وہی ہر جمعہ کو دھوئی جاتی تھی، اور اس پر زعفران کا رنگ دیدیا جاتا تھا[۴]، ایک روز جمعہ کے دن مسجد کے جانے میں دیر ہوئی، کسی نے تاخیر کی وجہ پوچھی تو بولے کہ غلام کپڑے دھونے کو لے گیا تھا اور اس کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا[۵]،

مسلمہ کا بیان ہے کہ میں مرض الموت میں ان کی عیادت کو گیا تو دیکھا کہ ایک میلی سی پھٹی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں، انھوں نے ان کی بی بی فاطمہ سے کہا کہ امیرالمومنین کی قمیص دھو ڈالو، دوسرے روز گئے تو بدن پر پھر وہی قمیص نظر آئی، بولے کہ میں نے تم کو قمیص اس لیے دھونے کو کہا کہ لوگ عیادت کو آتے ہیں، بولیں اس کے سوا ان کے پاس کوئی قمیص ہی نہیں[۶]،

غذا | غذا نہایت معمولی کھاتے تھے، ایک بار صبح کو گھر سے دیر میں نکلے، اس لیے اہل صحبت کو خیال ہوا

[۱] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۵۴، ۱۵۴، ۱۵۵ [۲] ایضاً ص ۱۴۶ [۳] ایضاً ص ۸۰ [۴] طبقات ص ۲۹۶ [۵] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۴۸ [۶] ایضاً ص ۱۵۳

کہ کسی پر ناراض تو نہیں ہیں، ان کو اس کی اطلاع ہوئی تو بطور معذرت کے کہا کہ رات میں نے مسور اور چنے کی دال کھالی اس لئے نفخ ہو گیا، اہل مجلس میں ایک صاحب بولے کہ اے امیر المومنین خداوند تعالیٰ تو اپنی کتاب میں کہتا ہے

فکلوا من طیبات ما رزقناکم — ہم نے تم کو جو کچھ دیا ہے ان میں سے بہتر چیزیں کھاؤ۔

بولے افسوس تم نے اس کے اُلٹے معنی لئے، اس سے مراد وہ مال ہے جو کسب حلال سے حاصل کیا جائے، لذیذ کھانا مراد نہیں[۱]،

محمد بن زبیر الحنظلی کا بیان ہے کہ میں ایک شب اُن کے پاس گیا تو دیکھا کہ روٹی کے ٹکڑے زیتون کے تیل کے ساتھ کھا رہے ہیں[۲]،

ایک دن اُنھوں نے اندر گھر میں ایک شخص کو بلا لیا وہ اندر پہنچا تو دیکھا کہ ایک دسترخوان پر ایک طشت رومال سے ڈھکی ہوئی رکھی ہے، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نماز پڑھ رہے ہیں، نماز پڑھ چکے تو دسترخوان کو سامنے کھینچکر کہا کہ آؤ کھاؤ، کہاں وہ مصر و مدینہ کی زندگی اور کہاں یہ زندگی، یہ کہہ کر رو پڑے اور پھر کچھ نہ کھایا[۳]،

ایک بار اون کے خادم کو دال کھانے کے لئے ملی، تو بولا روز روز دال، اسکی سیدہ نے کہا کہ تمھارے آقا امیر المومنین کی بھی یہی غذا ہے[۴]، لیکن یہ معمولی غذا بھی زمانۂ خلافت میں کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی[۵]،

مکان | قصر و محل لازمۂ امارت ہیں، لیکن اُنھوں نے عمر بھر ذاتی حیثیت سے کوئی عمارت تعمیر نہیں کی فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے، آپ دنیا سے رخصت ہوئے

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۳ [۲] ایضاً ص ۲۸۴ [۳] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۵۱ [۴] ایضاً ص ۱۵۲
[۵] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۴،

اور اینٹ کو اینٹ پر اور شہتیر کو شہتیر پر نہیں رکھا[1] یہاں تک کہ گھر میں ایک بالاخانہ تھا جس کے زینہ کی ایک اینٹ ہلتی تھی، جس سے اوترتے چڑھتے ہر وقت گرنے کا خوف معلوم ہوتا تھا، ایک دن ان کے غلام نے اس کو مٹی سے جوڑ دیا، وہ چڑھے تو اس کی حرکت محسوس نہیں ہوئی غلام سے پوچھا تو اس نے واقعہ بیان کیا، بولے مٹی کو اکھیڑ ڈالو، میں نے خدا سے عہد کر لیا تھا کہ اگر خلیفہ ہونگا تو ایک اینٹ بھی دوسری اینٹ پر نہ رکھونگا،[2]

گھر میں کسی قسم کا ساز و سامان نہ تھا، ایک بار عراق سے ایک عورت آئی، اور ان کے گھر میں جا کر دیکھا کہ کسی قسم کا ساز و سامان نہیں ہے، بولی کہ میں اسی ویران گھر سے اپنا گھر آباد کرنے آئی ہوں، ان کی بی بی فاطمہ نے کہا کہ تمھیں جیسے لوگوں کی گھر کی آبادی نے اس گھر کو ویران کر رکھا ہے، اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز رض آئے اور اس نے اپنی پانچ لڑکیوں کی ناداری بیان کی تو ان میں چار کا وظیفہ مقرر کر دیا،[3]

اہل وعیال | بی بی سے بالکل علٰحدگی اختیار کر لی تھی، اون کی بی بی فاطمہ کا بیان ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد ان کو کبھی غسل جنابت کی ضرورت نہیں ہوئی، میں نے ایک بار کسی فقیہ کے یہاں کہلا بھیجا کہ امیر المومنین جو کر رہے ہیں یہ جائز نہیں ہے، وہ بی بی سے بالکل تعلق نہیں رکھتے، اونھوں نے ان سے ذکر کیا تو بولے کہ جس کی گردن پر تمام امت محمدیہ کا بوجھ ہو اور قیامت کے دن اوس کا مواخذہ کیا جائے، وہ کیونکر ان تعلقات کو قائم رکھ سکتا ہے،

لونڈیاں جو تھیں، ان کو اختیار دیدیا تھا کہ جس کا جی چاہے آزاد ہو جائے اور جو رہنا چاہیں وہ رہیں، لیکن ان کو اُن سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا،[4]

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۱۵۱ [2] ایضاً صفحہ ۱۵۷ [3] سیرت ابن عبد الحکم صفحہ ۱۴۷،

[4] طبقات ابن سعد صفحہ ۲۹۳ ،

روزانہ خرچ کل دو درہم تھا،جس کا بار کبھی بیت المال پر نہیں ڈالا، ذاتی آمدنی جو کچھ تھی وہ بھی خلافت کے بعد کم ہوگئی کیونکہ اموال مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ میں اُنھوں نے سب سے پہلے خود اپنی جائدادیں واپس کیں جس وقت خلیفہ ہوئے تھے، ان کی جائداد کا منافع پچاس ہزار دینار تھا، لیکن وفات کے وقت گھٹ کر دو سو دینار رہ گیا[1]، ایسی حالت میں اہل وعیال نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، ایک بار عبداللہ بن زکریا، ان کے یہاں گئے اور ان کے اہل وعیال کی تنگدستی کو دیکھ کر اُن کا دل بھر آیا، بولے کہ یا امیرالمومنین آپ اپنے عمال کو سو سو دینار، دو دو سو دینار بلکہ اس سے بھی زیادہ مشاہرہ دیتے ہیں، بولے اگر وہ قرآن وحدیث کے مطابق عمل کریں تو یہ بہت کم ہے، میں ان کو معاش کے جھگڑوں سے بالکل نجات دلانا چاہتا ہوں، اُنھوں نے کہا کہ جب یہ جائز ہے اور جبکہ آپ خود ان سے زیادہ کام کرتے ہیں، تو آپ بھی مشاہرہ لیجئے اور اپنے اہل وعیال کو فارغ البال کیجئے، کیونکہ وہ بہت محتاج ہیں، بولے کہ تم نے یہ ہماری ہمدردی اور بھلائی کی نیت سے کہا ہے، پھر بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھکر بولے، لیکن یہ گوشت کل کا کل خدا کے مال سے پیدا ہوا ہے، اور اب میں خدا کے مال سے اُس میں کوئی اضافہ نہیں کرنا چاہتا،

ایک بار گھر میں ضروریات معاش کے لئے کچھ نہ تھا، اُن کے غلام مزاحم سخت پریشان ہوئے کہ کیا انتظام کیا جائے مجبوراً ایک شخص سے پانچ دینار قرض لئے، یمن کی جائداد کا منافع آیا تو وہ نہایت خوش ہوکر اوس کے پاس گئے کہ ابھی قرض ادا کرتا ہوں، یہ کہہ کر گھر میں گئے تو سر پر ہاتھ رکھ کر نکلے اور کہا کہ خدا امیرالمومنین کو اجر دے، خدا امیرالمومنین کو اجر دے، اس

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۷ ایک روایت میں ہے کہ خلافت کے وقت انکی جائداد کا منافع ۴۰ ہزار تھا جو گھٹ کر چار ہزار دینار رہ گیا،

رقم کو بھی جو ان کی ذاتی رقم تھی بیت المال میں داخل کر دیا[۱]،

ایک بار گھر میں گئے اور بی بی سے کہا کہ ایک درہم ہے میں انگور خریدنا چاہتا ہوں؟ بولیں نہیں فرمایا ایک پیسہ ہوگا؟ انھوں نے غصہ کے لہجے میں جواب دیا کہ تم امیرالمومنین ہوکر ایک درہم بلکہ ایک پیسے کی بھی مقدرت نہیں رکھتے؟ بولے جہنم کی ہتکڑیوں سے یہ زیادہ آسان ہے[۲]؟

بچوں سے اگرچہ نہایت محبت رکھتے تھے، لیکن اس محبت کا اظہار کبھی دنیوی زیب وزینت اور عیش وعشرت کی صورت میں نہیں ہوتا تھا، ایک بار انھوں نے اپنی لڑکی امینہ کو نہایت پیار سے پاس بلایا لیکن وہ نہ آئی، اب ایک آدمی کو بھیج کر بلوایا، اور نہ آنے کی وجہ پوچھی، اُس نے کہا میرے پاس کپڑا نہ تھا، مزاحم کو حکم دیا کہ فرش کو پھاڑ کر اس کے لئے ایک قمیص تیار کروا دو، حسن اتفاق سے لڑکی کی پھوپھی ام البنین نہایت دولت مند تھیں، ایک آدمی اُن کے پاس گیا اور واقعہ بیان کیا انھوں نے ایک تھان کپڑا بھیجدیا اور کہا کہ عمر سے کچھ نہ مانگو[۳]،

ایک بار ان کے صاحبزادے عبداللہ آئے اور کپڑے مانگے، انھوں نے ان کو خیار بن رباح بصری کے پاس بھیجدیا کہ ہمارے کپڑے وہاں رکھے ہوئے ہیں، وہ گئے تو خیار نے گاڑھے کے کپڑے نکال کر سامنے رکھ دئے، اور کہا کہ جس قدر ضرورت ہو لے لو، انھوں نے کہا کہ یہ میری اور میرے خاندان کی پوشش نہیں ہے، انھوں نے کہا کہ امیرالمومنین کے یہی کپڑے ہیں، جو میرے پاس ہیں، عبداللہ پلٹے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے واقعہ بیان کیا تو بولے کہ ہمارے پاس تو یہی کپڑے ہیں، اب انھوں نے مایوس ہوکر پلٹنا چاہا تو بولے کہ اگر لینا چاہو تو میں تمہارے وظیفہ میں سے سو دینار پیشگی دلوا سکتا ہوں، وہ راضی ہو گئے تو انھوں نے سو اشرفیاں دلوادیں لیکن جب وظیفہ تقسیم ہوا تو اس کو مجرا لے لیا[۴]،

---

[۱] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۶۲ [۲] ایضاً صفحہ ۱۵۴ [۳] ایضاً صفحہ ۲۶۵ [۴] ایضاً صفحہ ۲۷۳،

ان کی اولاد میں اگر کوئی بیش قیمت چیز کا استعمال کرتا تو اس کو بھی منع کرتے، ایک بار ان کے ایک صاحبزادے نے انگوٹھی بنوائی اور اس کے لئے ہزار درہم کا نگینہ خریدا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو معلوم ہوا تو لکھا کہ اس انگوٹھی کو فروخت کر ڈالو، اور اس رقم سے ہزار بھوکوں کا پیٹ بھرو، اور ایک لوہے کی انگوٹھی خرید کر اس پر یہ عبارت کندہ کرا لو، خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے اپنی قدر پہچانی ہے[1]

وہ معمولاً عشا بعد بعد اپنی لڑکیوں کے یہاں جایا کرتے تھے، ایک رات گئے اور لڑکیوں نے آنے کی آہٹ پائی تو ہاتھ سے اپنے منھ بند کرکے دروازے تک آئیں، انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس شب کے کھانے میں مسور کی دال اور پیاز کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے انھوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ آپ ان کی ناگوار بو سونگھیں، اس پر وہ رو پڑے اور کہا کہ اے میری لڑکیو! تم کو اس سے کیا فائدہ ہوگا کہ تم طرح طرح کے کھانے کھاؤ، اور تمھارا باپ دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے، یہ سن کر تمام لڑکیاں چیخ مار کر رو پڑیں[2]،

تقویٰ و ورع بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر جائز معلوم ہوتی ہیں، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ بھی شبہہ سے خالی نہیں ہوتیں، تقویٰ و ورع کا تعلق انہی چیزوں سے ہے، اور بہت کم لوگ ان سے اجتناب کرتے ہیں، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں یہ وصف بدرجۂ اتم موجود تھا، اگر کبھی ذمیوں کے یہاں مہمان ہوتے اور وہ لوگ دودھ اور ترکاری وغیرہ لاتے تو ان سے زیادہ معاوضہ دیکر ان چیزوں کو استعمال میں لاتے، اور اگر وہ معاوضہ لینے سے انکار کرتے تو ان چیزوں کو نہ کھاتے، لیکن اگر کوئی مسلمان کوئی چیز ہدیۃً دیتا تو اسکو سرے سے قبول ہی نہیں کرتے، ایک بار انھوں نے سیب کی خواہش ظاہر کی، ان کے خاندان کا ایک شخص اٹھا اور

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ صفحہ ۲۷ [2] سیرۃ ابن عبدالحکم صفحہ ۵۵ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ صفحہ ۱۶۲،

ان کی خدمت میں ایک سیب ہدیۃً بھیجدیا، آدمی سیب لے کر آیا تو اسکو قبول تو نہیں کیا لیکن اخلاقاً فرمایا کہ جاکر کہدو کہ آپ کا ہدیہ پسند خاطر ہوا، اُس نے کہا یہ تو گھر کی چیز ہے، آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے، بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ بے شبہہ ہدیہ تھا، لیکن وہ ہمارے لئے رشوت ہے[۱]،

توکل | حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو توکل علی اللہ نے تمام خطرات سے بے پروا کر دیا تھا، ایک بار ان سے بہت سے لوگوں نے کہا کہ آپ کھانا دیکھو بھال کے کھائیں، نماز پڑھیں تو ساتھ ساتھ پہرہ دار رکھیں کہ کوئی شخص حملہ نہ کر بیٹھے، طاعون میں جیساکہ تمام خلفاء کا طریقہ تھا باہر نکل جائیں بولے کہ آخر وہ لوگ کیا ہوئے؟ جب ان لوگوں نے سخت اصرار کیا تو فرمایا کہ خداوندا اگر تیرے علم میں، روز قیامت کے سوا اور کسی دن سے ڈروں تو میرے خوف کو اطمینان نہ دے[۲]،

چونکہ خوارج کے ناگہانی حملوں سے تمام خلفاء کی زندگی غیر محفوظ ہو گئی تھی، اس لئے خلفاء کی حفاظت کے لئے بہ کثرت پہرہ دار رہتے تھے جس کی ابتدا حضرت امیر معاویہؓ نے کی تھی، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اگرچہ کلیۃً ان پہرہ داروں کو معزول نہیں کیا تاہم ان سے صاف صاف کہدیا کہ میں تم سے بالکل بے نیاز ہوں، تقدیر الٰہی میری حفاظت کے لئے کافی ہے، تم میں جس کا جی چاہے رہے، جس کا جی چاہے چلا جائے[۳]،

پاس خاندان | حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اگرچہ مذہبی حیثیت سے اپنے خاندان کے آئین جہانبانی کو ناپسند کرتے تھے تاہم اُن کو اپنے خاندان کی عزت و حرمت کا کچھ کم پاس نہ تھا،

ایک بار خوارج نے ان سے اثنائے مناظرہ میں کہا کہ جب تک آپ اپنے خاندان سے تبری اور اُن پر لعنت ملامت نہ کریں گے ہم آپ کی اطاعت قبول نہ کریں گے، بولے کیا

---

[۱] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص۱۲۶ [۲] طبقات ابن سعد ص۲۹۷ [۳] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ ص۹۵،

تم نے فرعون پر لعنت کی ہے؟ اُن سب نے کہا نہیں، بولے جب تم نے فرعون سے درگذر کی تو میں اپنے خاندان سے کیوں نہ چشم پوشی کروں درآنحالیکہ اُن میں بُرے بھلے نیک و بد ہر قسم کے لوگ تھے[1]،

ایک بار کسی نے حضرت امیر معاویہؓ کو بُرا بھلا کہا، تو اُنھوں نے اس کو تین کوڑے مارے[2] اور تمام زمانہ خلافت میں صرف یہی تین کوڑے تھے جو اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے مارے تھے،

اعزہ سے محبت حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اعزہ و اقارب سے نہایت محبت رکھتے تھے، ان کے چچا عبد اللہ بن مروان کا انتقال ہوا تو اگرچہ اُس زمانہ میں وہ امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، تاہم سامان عیش کو تہ کرکے رکھدیا اور دو ڈھائی مہینے تک صرف کمل پہنتے رہے، قاسم بن محمد نے سمجھایا تو پھر اپنی اصلی حالت پر آئے[3]،

بیٹوں میں عبد الملک سے بہت زیادہ محبت تھی، ایک بار میمون بن مہران سے کہا کہ میرا بیٹا عبد الملک میری آنکھوں میں کھب گیا، کہیں میرے جذبات عقل پر تو غالب نہیں آگئے میں چاہتا ہوں کہ آپ آکر اُس کے علم و فضل کا امتحان لیں[4]،

دشمنوں کے ساتھ رفق و ملاطفت دشمنوں کے ساتھ نرمی کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو انتہا درجہ کے شریف ہوں، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اسی قسم کے لوگوں میں تھے، اسلام میں خوارج کا فرقہ ہمیشہ سے خلفاء کا دشمن رہا ہے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ہمیشہ اس فرقہ کے ساتھ رفق و ملاطفت کا برتاؤ کیا، ایک بار کسی خارجی نے سلیمان بن عبد الملک کو فاسق اور فاسق زادہ کہا، اُس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے رائے طلب کی تو بولے کہ جس طرح اُس نے آپ کو

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۴۴ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز صفحہ ۲۸۳،
[3] سیرت عمر بن عبد العزیزؓ صفحہ ۳۵ [4] ایضاً صفحہ ۲۶۳،

برا بھلا کہا ہے، آپ بھی کہہ لیجئے،[۱]

ایک بار چند خارجی اون کی خدمت میں آئے، اور مناظرہ کرنا شروع کیا، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے بعض ہمنشینوں نے کہا کہ ذرا ابگڑ کر ان کو مرعوب کیجئے، لیکن وہ اون سے نہایت نرم خوئی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ سب ایک خاص شرط پر راضی ہو کے چلے گئے، اب حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اپنے ہمنشین کے زانو پر ہاتھ مار کر کہا کہ جب تک دوا سے صحت ممکن ہو کسی کو داغنا نہیں چاہئے،[۲]

خارجیوں کے ساتھ معرکہ کارزار پیش آیا تو بہ ہزار دقت ان شرائط کے ساتھ جنگ کی اجازت دی کہ عورت، بچے، قیدی قتل نہ کئے جائیں، زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے، جو مال غنیمت ہاتھ آئے، وہ انہی کے اہل وعیال کو واپس دیدیا جائے، قیدی اُس وقت تک قید رکھے جائیں، جب تک کہ راہ راست پر آجائیں،

اُن کے نزدیک حجاج اس قدر مبغوض شخص تھا، کہ اس کے تمام خاندان کو جلا وطن کردیا تھا اور تمام عمال کو ہدایت کی تھی کہ اس کی روش نہ اختیار کریں، لیکن باایں ہمہ جب اون کے سامنے ریاح بن عبیدہ نے حجاج کو گالی دی تو روکا اور بولے اے ریاح جب مظلوم ظالم کو خوب بُرا کہہ کر اپنا بدلہ لے لیتا ہے تو ظالم کو اس پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے،[۳]

اون کے تمام دشمنوں کو ان کی اس رفق وملاطفت کا اس قدر یقین تھا کہ جراح نے جب مخلد بن یزید المہلب کو ان کے حکم سے گرفتار کیا، تو اس کے ساتھ قید کی حالت میں اس قدر نرمی کی کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے ان کو لکھا کہ تم آل مہلب کی ماں ہو جو اس کے لئے بستر بچھاتی ہے، اور اس پر اس کو سلاتی ہے، لیکن باایں ہمہ اُس نے خود حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے دربار

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۳۹ [۲] ایضاً ص ۲۲ [۳] ایضاً ص ۹۰-۸۹،

کی حاضری کو اس عیش وآرام پر ترجیح دی، اور اس کا یہ خیال صحیح نکلا، چنانچہ جب وہ اون کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُنھوں نے اس کو بالکل رہا کر دیا،[۱]

اہل حاجت کی امداد | جو لوگ محتاج اعانت ہوتے تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز ہر ممکن طریقہ سے ان کی امداد کرتے تھے اپنی ہمنشینی کے لئے جو شرطیں مقرر کی تھیں، ان میں ایک شرط یہ تھی کہ میرے ہم نشینوں کو مجھ تک ان لوگوں کی حاجتیں پہنچانا چاہئیں جو خود اون کے پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتے،[۲]

ایک بار ان کے سامنے ایک چور پیش کیا گیا، تو اس نے احتیاج کا عذر پیش کیا، اُنھوں نے اس کا عذر قبول کیا، اور اس کو دس درہم دلوائے،[۳]

ایک بار ایک بدو آیا اور اپنی حاجت کو نہایت پردرد الفاظ میں پیش کیا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے گردن جھکا لی، اور آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہو گئے، سر اٹھا کر پوچھا کہ تم سب کتنے آدمی ہو؟ اس نے کہا ایک میں اور آٹھ بیٹیاں، اُنھوں نے بیت المال سے سب کے وظائف مقرر کر دیئے، اور سو درہم ذاتی طور پر اپنی جیب سے دیئے،[۴]

جب خمس کے غلاموں کی کثرت ہو جاتی تو دو اپاہجوں کی خدمت کے لئے ایک غلام اور ہر اندھے کی رہبری کے لئے ایک غلام عطا فرماتے،[۵]

یہ قاعدہ تھا کہ جب ان کے ڈاکئے چلتے تو جو شخص خط دیتا اس کو لے لیتے، چنانچہ ایک بار مصر سے ڈاکیہ چلا تو ایک شخص کی لونڈی نے اس کو خط دیا کہ اس کے گھر کی دیوار اس قدر پست ہے کہ لوگ اسکو پھاند کر مرغیاں چرا لیجاتے ہیں، اُنھوں نے اپنے عامل

---

[۱] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص۹۲ [۲] ایضاً ص۱۴۲ [۳] ایضاً ص۹۶ [۴] ایضاً ص۴۳،
[۵] سیرت ابن عبد الحکم ص۵۵،

شرجبیل کو لکھا کہ میرے خط کے پہنچنے کے ساتھ ہی فوراً جاؤ اور اس کی دیوار اونچی کر دو، اسی کے ساتھ اس لونڈی کو بھی اس کی اطلاع دی[1]،

عیادت و عزاداری اگرچہ امراء و سلاطین بہت کم گھر سے باہر قدم نکالتے ہیں، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ دوست و دشمن کی عیادت و تعزیت کو بے تکلف جاتے تھے اور ان کو تسلی دیتے تھے، ایک بار ابو قلابہ شام میں بیمار ہوئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے، اور کہا کہ ابو قلابہ چاق و چست ہو جاؤ، اور ہم پر منافقین کو ہنسنے کا موقع نہ دو،

ایک بار ایک شخص کا لڑکا مر گیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اس کے پاس تعزیت کو گئے، وہ نہایت صابر و شاکر آدمی تھا، لوگوں نے کہا رضا و تسلیم اس کا نام ہے، بولے رضا نہیں صبر[2]،

عمر بن عبداللہ بن عتبہ کے باپ نے انتقال کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان کے پاس ایک تعزیت نامہ بھیجا جس میں لکھا کہ ہم آخرت کے رہنے والے ہیں، دنیا میں آکر قیام کر لیا ہے، مردے اور مردوں کے بیٹے ہیں، تو کس قدر تعجب ہے اس مردے پر جو مردے کو خط لکھتا ہے، اور مردے کی تعزیت دیتا ہے[3]،

بردلعزیزی حدیث شریف میں آیا ہے،

اذا احب اللہ العبد قال لجبرئیل	خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہو تو جبرئیل سے
قد احببت فلانا فاحبہ فیحبہ	کہتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت
جبرئیل ثم ینادی فی اھل السماء	کرو، اسلئے جبرئیل بھی اس سے محبت کرتے ہیں پھر آسمان کے
ان اللہ قد احب فلانا فاحبوہ	رہنے والوں میں منادی کرتے ہیں کہ خدا فلاں سے

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص ۵۹ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۶۲ [3] ایضاً ص ۲۱۶،

فیحبہ اھل السماء ویضع لہ القبول[1] فی الارض،

محبت رکھتا ہو تم لوگ بھی اس سے محبت کرو، اسلئے آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اسکے بعد اللہ تعالیٰ اسکو دنیا میں مقبول عام بنا دیتا ہے،

مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا یہ سب سے بڑا درجہ ہے، اور محاسن اخلاق کی بدولت حضرت عمر بن عبدالعزیز کو یہی درجہ حاصل تھا، چنانچہ وہ ایک بار موسم حج میں عرفہ سے گذرے تو دفعۃً تمام لوگوں کی نگاہیں اٹھ گئیں، سہیل بن ابی صالح جو مذکرۂ بالا حدیث کے راوی ہیں، وہ بھی اس مجمع میں موجود تھے، انھوں نے یہ حالت دیکھی تو اپنے باپ سے کہا کہ میرے خیال میں خدا عمر کو محبوب رکھتا ہے، انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی جگہ ہے، اس کے بعد یہ حدیث بیان کی،[1]

صرف مسلمانوں کی خصوصیت نہیں بلکہ ان کے عدل وانصاف نے اون کو غیر قوموں کی نگاہوں میں بھی محبوب بنا دیا تھا، ایک بار ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کا گذر جزیرہ سے ہوا تو ایک راہب جو کبھی اپنے صومعہ سے باہر نہیں نکلتا تھا نکلا اور پوچھا کہ تمھیں معلوم ہے کہ میں کس غرض سے اپنے گوشۂ تنہائی سے باہر آیا ہوں، انھوں نے کہا نہیں، اس نے کہا صرف تمھارے باپ کے حق کی بنا پر کیونکہ ہم ان کو ائمۂ عدل میں پاتے ہیں،[2]

---

[1] زرقانی شرح موطا جلد ۴ صفحہ ۱۶۷ [2] تاریخ الخلفا صفحہ ۲۳۳،

علماء کی قدردانی

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اگرچہ خلافت کے تعلق سے ہر قسم کے لوگوں سے میل جول رکھنا پڑتا تھا، تاہم ان کا اصلی میلان اہل علم کی طرف تھا، اس لئے مختلف طریقوں سے انکی قدر دانی کرتے تھے، عدی بن ارطاۃ نے جب تمام مسائل شرعیہ میں ان سے مشورہ لینا شروع کیا تو ہدایت کی کہ حسن بصری سے مشورہ لینا کافی ہے[1]، خود کوئی فیصلہ کرتے تھے تو لازمی طور پر سعید بن مسیب سے مشورہ لیتے تھے،

ایک بار ایک آدمی کو ان کے پاس کسی مسئلہ کے دریافت کرنے کے لئے بھیجا، وہ خود ان کو بلا لایا، بولے کہ قاصد نے غلطی سے آپ کو تکلیف دی، ہم نے صرف یہ کہا تھا کہ آپ سے صرف مسئلہ پوچھ کے چلا آئے[2]،

ہمیشہ علماء کا ذکر کرتے رہتے تھے، بسر بن سعید کا انتقال ہوا تو انھوں نے کفن کا سامان بھی نہ چھوڑا، اور عبد اللہ بن عبد الملک کا انتقال ہوا تو اس نے لاکھوں روپئے چھوڑے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو دونوں کی موت کا حال معلوم ہوا تو بولے کہ اگر دونوں کا ایک ہی انجام ہوتا تو میں عبد اللہ بن عبد الملک ہی کی زندگی کو ترجیح دیتا، اس پر مسلمہ بن عبد الملک نے کہا کہ بسر بن سعید کی سی زندگی اختیار کرنا آپ کے خاندان میں خودکشی کرنا ہے، بولے جو کچھ ہو،

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ صفحہ ۱۰۱ [2] طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۹۰. تذکرہ سعید ابن المسیب [3] طبقات جلد ۵ صفحہ ۲۰۳،

لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم اہل فضل کے فضل کا تذکرہ چھوڑ دیں،

اکثر علماء سے اون کے دوستانہ تعلقات تھے، اور جب اُن میں کوئی آتا تو اوس سے نہایت گرمجوشی سے ملتے، اور اوس سے صحبت خاص رکھتے، ایک بار ایک عالم جو ان کے دوست تھے آئے تو ان کو اپنے پاس بٹھایا اور خلوت میں لے جاکر دیر تک گفتگو کرتے رہے[2]،

[1] طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۰۸ [2] ایضاً ص ۲۲۵

شاعری وخطابت

حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کو اگرچہ شعر وسخن کا ذوق نہ تھا، تاہم کبھی کبھی اخلاقی اشعار خود کہتے تھے، اور کبھی کبھی دوسروں کی زبان سے سنتے تھے، چنانچہ محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب کے تیسویں باب میں اس قسم کے اشعار کو جمع کر دیا ہے،

ایک لحن خاص کے موجد بھی تھے جو مدینہ میں رائج ومقبول تھا[1]،

حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کے خطبات ومواعظ بکثرت ہیں، جن کو محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب کے بتیسویں باب میں جمع کر دیا ہے، منبر پر وہ بالکل ابراہیم ادھم اور حضرت بایزید بسطامی کے قالب میں نمایاں ہوتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں انہی کی زبان سے کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جب پہلا خطبہ دیا تو تمام خطباء وشعراء دفعۃً اُن سے الگ ہوگئے، اور فقہا وزہاد نے کہا کہ جب تک ان کے قول وفعل میں تخالف نہ ہو ہم ان کو چھوڑ نہیں سکتے[2]،

---

[1] سیرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ صفحہ ۲۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۹۶،

———— ـــــــــ ————

ارباب صحبت

خلافت سے پہلے اگرچہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ رنگین مزاج لوگوں سے صحبت رکھتے تھے، لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اُنھوں نے تمام سامان عیش وطرب کے ساتھ اس قسم کے احباب سے بھی قطع تعلق کر لیا، چنانچہ خلافت کے بعد جب لوگ ان کی خدمت میں آئے تو انھوں نے صرف نیک اور پرہیزگار لوگوں کو باریابی کا موقع دیا، اور ایک قدیم دوست کو اس شرف سے محروم رکھا، بعض لوگوں نے ان سے اس معاملہ میں گفتگو کی، تو بولے جس طرح ہم نے رنگین کپڑے چھوڑ دئے، اسی طرح رنگین مزاج دوستوں سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔[1]

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ سے پہلے خلفاء کی بزم طرب میں سب سے زیادہ ہجوم شعراء کا ہوتا تھا، اس بناء پر جب حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو حجاز و عراق کے تمام شعراء نے ان کے دربار کا رخ کیا، اور تمام بڑے بڑے شعراء مثلاً نصیب، جریر، فرزدق، احوص اور اخطل وغیرہ آئے، اور مہینوں قیام کیا، لیکن یہاں مجلس ہی کا رنگ بدلا ہوا تھا، شعراء کی کوئی قدردانی نہیں کی جاتی تھی، قراء و فقہاء اطراف سے بلائے جاتے تھے، اور ان کو خواص میں داخل کیا جاتا تھا، مجبوراً بعض شعراء نے ایک فقیہ سے اعانت طلب کی اور اپنی کساد بازاری کا اظہار ان اشعار میں کیا،

هذا زمانك انى قد مضى زمنى	يا ايها القارى المرخى عمامته
یہ تیرا زمانہ ہے، میرا زمانہ گذر گیا	اے وہ قاری جس کا عمامہ لٹک رہا ہے

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص۳۲،

ابلغ خلیفتنا ان کنت لاقیه	انی لدی الباب کالمصفود فی قرن
اگر ہمارے خلیفہ سے ملو تو اسکو یہ پیغام پہنچاؤ	کہ میں دروازے پر بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں

بہرحال حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے خلفاء کی مجالس کا رنگ بالکل بدل دیا، اور اپنی صحبت کے لئے صرف علماء و فقہاء کو انتخاب کیا، جس میں میمون بن مہران، رجاء بن حیواۃ اور ریاح بن عبیدہ کا شمار خواص میں تھا، اور ان کے علاوہ اور علماء بھی تھے، لیکن انکا درجہ ان سے کم تھا۔[1]

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک ارباب صحبت میں خصوصیت کے ساتھ جن اوصاف کا ہونا ضروری تھا ان کی تصریح انھوں نے خود ہی کردی تھی، یعنی یہ کہ

(۱) اگر میں انصاف کی راہ نہ پاؤں تو وہ میری رہنمائی کرے،

(۲) نیکی کے کاموں میں میرا مددگار ہو،

(۳) جو لوگ مجھ تک اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتے، وہ مجھ تک ان کی حاجت پہنچائے،

(۴) میرے پاس کسی کی غیبت نہ کرے،

(۵) میری اور لوگوں کی جو امانت رکھے اس کو ادا کرے[2]

عام معمول تھا کہ ابتدائے شب میں خلافت کا کام انجام دیتے، آدھی رات ہوتی تو احباب کے ساتھ شریک صحبت ہوتے اور آخر شب میں عبادت کرتے، ایک بار میمون بن مہران نے کہا کہ آپ اس مصروفیت کے ساتھ کیونکر زندہ رہ سکتے ہیں، ؟ بولے باہمی صحبت سے عقل بارآور ہوتی ہے،[3] ان احباب کی صحبت میں امور خلافت کے متعلق مشورہ لیا جاتا[4] اور زہد و رقاق کی باتیں ہوتیں، میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں ایک رات انکی صحبت میں تھا تو انھوں نے ایک موثر وعظ کہا،[5]

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۲۹۲ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۴۴ [3] ایضاً ص ۲۴۰

[4] طبقات ابن سعد ص ۲۸۲ [5] ایضاً ص ۲۷۳،

اعمال و عبادات

عبادت شبانہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کی زاہدانہ زندگی کا سب سے زیادہ پر اثر منظر صرف اُن کو نظر آسکتا تھا جو اُن کی عبادت گذاری کا اصلی وقت تھا، اس مقصد کے لئے گھر کے اندر ایک حجرہ مخصوص کر لیا تھا جس میں کمبل کے سلے ہوئے کپڑے رکھے رہتے تھے، جب رات کا پچھلا پہر ہوتا تو دن کے کپڑے اتار ڈالتے اور ان کپڑوں کو پہن کر مناجات اور گریہ و بکا میں مصروف ہوجاتے اور صبح تک مصروف رہتے، صبح ہوتی تو ان کپڑوں کو تہ کرکے صندوق میں رکھدیتے،

مرنے سے پہلے اس صندوق کو ایک غلام کے پاس امانۃً رکھدیا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو دریا میں بہا دینے کی وصیت کی تھی، چنانچہ اہل خاندان کو اس صندوق کا حال معلوم ہوا تو غلام سے طلب کیا، اُس نے کہا اس میں مال و دولت نہیں ہے لیکن ان کی حرص وطمع نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور صندوق کو اٹھا کر یزید بن عبد الملک کی خدمت میں لے گئے، اس نے تمام خاندان کے سامنے کھولا تو کمل کے چند کپڑے نکلے جن کو وہ رات کو پہنا کرتے تھے،[1]

عام معمول یہ تھا کہ شام ہونے کے بعد آدھی رات تک امور خلافت انجام دیتے، آدھی رات کے بعد علماء سے صحبت رکھتے، اور رات کا پچھلا پہر عبادت گذاری میں گذارتے،[2] نماز فجر پڑھنے کے بعد پھر اسی حجرے میں چلے جاتے، اور اس وقت اس میں کوئی دوسرا نہیں جاسکتا تھا،[3]

نماز نماز پنجگانہ نہایت مستعدی کے ساتھ ادا فرماتے تھے، گھر میں مغرب کی طرف ایک حجرہ کہ بنا رکھا تھا، اگر موذن اذان دینے میں دیر کرتا تھا تو آدمی بھیج کر کہلوا دیتے کہ وقت آگیا،[4]

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ صفحہ ۱۷۸، ۱۷۹ و ۲۴۰ [2] ایضاً ص ۲۱۶ [3] ایضاً ص ۱۷۹۔

موذن اذان دیتا تو کوشش کرتے کہ اذان کی آواز کے ساتھ ہی مسجد میں داخل ہو جائیں اس غرض سے ۱۳ موذن ملازم رکھے تھے، کہ گھر سے نکلنے تک اذانوں کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمام موذنین کو اذان کہنے کی ضرورت واقع ہوئی ہو، اکثر پہلی ہی اذان میں گھر سے برآمد ہو جاتے ورنہ دوسری یا تیسری اذان میں تو ضرور ہی داخل مسجد ہو جاتے اذان دینے کے بعد موذن آتا اور کہتا کہ "السلام علیک امیر المومنین ورحمۃ اللہ" یہ فقرے ادا بھی نہ کرنے پاتا کہ وہ نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے،[1]

جمعہ کے دن کا نہایت احترام کرتے تھے، اور عید و جمعہ میں پیدل جانے کا حکم دیا تھا،[2] ادائے نماز میں بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن و آداب کا اتباع کرتے تھے، حضرت انس بن مالک کا قول ہے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا[3]

زکوٰۃ | ہمیشہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا فرماتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ ایک بار انھوں نے مجھے ۳۰ درہم دیئے اور کہا کہ یہ میرے مال کا صدقہ ہے[4]، ہمیشہ دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھتے،[5]

تلاوت | روزانہ علی الصباح قرآن مجید کی تھوڑی سی تلاوت کرتے اور رات کے وقت جب سوتے تو نہایت دردناک لہجے میں قرآن مجید کی یہ آیتیں پڑھتے،

ان ربکم اللہ الذی خلق السموات	تمھارا پروردگار وہ خدا ہی جس نے آسمان اور
والارض الخ	زمین کو پیدا کیا،
افامن اھل القری ان یاتیھم	کیا گانوں والے اس سے بیڈر ہو گئے کہ ہمارا
باسنا بیاتا وھم نائمون[6]	عذاب آ جائے اور وہ لوگ سوتے ہوئے ہوں،

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۶۳ و ۲۶۴ [2] ایضاً ص ۲۶۷ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۶ [4] ایضاً ص ۲۴۱ [5] طبقات ابن سعد ص ۲۴۵ [6] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۸۱ [7] طبقات ابن سعد ص ۲۸۰،

بعض اوقات ایک ہی سورہ کو بار بار رات رات بھر پڑھا کرتے تھے، چنانچہ ایک رات سورۂ انفال شروع کی تو صبح تک پڑھتے رہے، اگر کوئی خوف کی آیت آتی، تو تضرع و ابتہال کرتے، اگر رحمت کی آیت آتی تو دعا کرتے،[1]

قرآن مجید کو سُن کر اُن پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا، ایک بار کسی شخص نے اُن کے سامنے قرآن مجید کی ایک سورہ پڑھی تو حاضرین میں سے ایک صاحب بول اٹھے، کہ اُس نے پڑھنے میں غلطی کی ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید کے سننے کے بعد انکو غلطی نکالنے کا ہوش تھا،[2]

جب ان آیتوں کو پڑھتے جن میں احوال قیامت کا ذکر ہوتا تو بے ساختہ رو پڑتے، بیہوش ہو جاتے، اور صبح تک اون پر از خود رفتگی کی کیفیت طاری رہتی،[3]

مناجات و دعا ہمیشہ مناجات و دعا میں مصروف رہتے، چنانچہ علامہ ابن جوزی نے ان دعاؤں کو اپنی کتاب کے اکتیسویں باب میں نقل کر دیا ہے،

گریہ و بکاء طبیعت نہایت اثر پذیر پائی تھی، اس لئے اکثر ان پر گریہ طاری ہو جایا کرتا تھا، ایک بار خطبہ دینا چاہتے تھے، کہ حمد و نعت کے بعد گلو گرفتہ ہو گئے،[4] اگر کوئی شخص ان کو موثر نصیحت کرتا، یا قرآن مجید کی کوئی پر اثر آیت سنتے تو دفعۃً رو پڑتے، چنانچہ خوف قیامت اور نصیحت پذیری کے عنوان میں اس قسم کے واقعات گذر چکے ہیں، ان کی بی بی کا بیان ہے کہ جب گھر میں آتے تھے تو اپنی مسجد میں جا کر متصل روتے رہتے، یہانتک کہ آنکھ لگ جاتی، جب جاگتے تو پھر اسی مشغلہ میں مصروف ہو جاتے یہانتک کہ اسی میں رات بسر ہو جاتی،[5]

خشیت الٰہی دنیا میں اور بھی بہت سے فقراء و صوفیہ گذرے ہیں، جن کا دل خشیت الٰہی سے ہمیشہ لرزتا

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۰۱ [2] ایضاً ص ۱۹۲، [3] ایضاً ص ۱۹۱، [4] طبقات ابن سعد ص ۲۹۱،
[5] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳،

رہتا تھا، لیکن اس باب میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جس چیز نے ان لوگوں سے ممتاز کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز انسان کے دل کو سخت کر دیتی ہے، اُسی نے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا، جاہ و دولت انسان کو خدا سے بالکل غافل کر دیتے ہیں، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دل کو انہی نے خوف خدا کا آشیانہ بنا دیا تھا، چنانچہ ایک بار انھوں نے خود اپنے ایک فوجی افسر کو لکھا کہ

> خدا کی عظمت اور خشیت کا سب سے زیادہ مستحق بندہ وہ ہے جو اُس مصیبت میں مبتلا ہو جس میں کہ میں ہوں، خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا اور مجھ سے زیادہ ذلیل (اگر وہ خدا کی نافرمانی کرے)، کوئی نہیں ہے، میں اس حالت میں سخت دل گرفتہ ہوں اور مجھے خوف ہے کہ یہ میری ہلاکت کا سبب نہ بن جائے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جہاد کے لئے روانہ ہونا چاہتے ہو، تو اے برادر من میری خواہش یہ ہے کہ جب تم صف جنگ میں کھڑے ہو تو خدا سے دعا کرو کہ وہ مجھے شہادت عطا فرمائے کیونکہ میری حالت نہایت سخت اور میرا خطرہ نہایت عظیم الشان ہے[۱]،

عام معمول یہ تھا کہ نماز عشاء کے بعد اپنی مسجد میں بیٹھ کر دعائیں کرتے اور روتے جاتے، یہاں تک کہ آنکھ لگ جاتی، پھر آنکھ کھلتی تو یہی مشغلہ جاری ہو جاتا یہاں تک کہ دوبارہ سو جاتے غرض تمام رات اسی طرح گذر جاتی[۲]، ایک دن ان کی بی بی فاطمہ نے اسکی وجہ پوچھی تو بولے کہ میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید کی قسمت کا مالک ہوں، پھر میں نے بیکس، غریب، محتاج، فقیر اور گم شدہ قیدی اور انہی کی طرح اور لوگوں کو یاد کیا، تو مجھے یقین ہو گیا کہ خدا ان کے بارے میں مجھ سے سوال کریگا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۹۲ ۲؎ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۸۱،

ان کے متعلق مجھ پر دعوی کریں گے، اس لئے اس تصور سے مجھے جان کا خوف پیدا ہوگیا، میرے آنسو جاری ہوگئے اور میرا دل خوفزدہ ہوگیا، اور میں جس قدر اس کو یاد کرتا ہوں میرا خوف بڑھتا جاتا ہے[۵]،

ان کی بی بی فاطمہ بنت عبد الملک کا بیان ہے کہ وہ اور لوگوں سے زیادہ نہ نماز پڑھتے تھے نہ روزہ رکھتے تھے، البتہ ان سے زیادہ کوئی شخص خدا سے نہیں ڈرتا تھا، وہ اپنے بستر پر بھی خدا کو یاد کرتے تھے، تو خوف کی شدت سے گنجشک سے زیادہ کانپتے تھے[۲]،

خوف موت — امراء وسلاطین کے یہاں راتوں کو بزم عیش وطرب منعقد ہوتی ہے، لیکن حضرت عمرؓ ابن عبد العزیزؓ کے یہاں رات کو فقہا جمع ہوکر موت اور قیامت کا ذکر کرتے تھے، اور اس طرح روتے تھے، گویا ان کے سامنے جنازہ رکھا ہوا ہے[۳]، وہ موت کے خوف سے رات رات بھر جاگا کرتے تھے، اور اس پر غور وفکر کرتے رہتے تھے، ایک بار اُنھوں نے اپنے ایک ہمنشین سے کہا کہ میں غور وفکر میں رات بھر جاگتا رہا، اُس نے کہا کس چیز کے متعلق غور وفکر کرتے تھے؟ بولے قبر اور اہل قبر کے متعلق، تم اگر مردے کو تین دن کے بعد قبر میں دیکھو تو باوجود اسکی موانست کے تم اس کے پاس جانے سے وحشت زدہ ہوگے، اور ایک ایسا گھر دیکھو گے جس میں کیڑے رینگ رہے ہوں گے، پیپ بہ رہی ہوگی، اور کیڑے اُس میں تیر رہے ہوں گے، یہ کہنے کے بعد ہچکیاں بندھ گئیں اور بیہوش ہوکر گر پڑے، ہوش میں آنے کے بعد بھی یہ حالت عود کرتی رہی[۴]،

سیدسی کام عموماً مصلحت اور ضرورت کے اقتضا سے انجام دئے جاتے ہیں، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے نظام سلطنت کی بنیاد صرف خوف موت پر قائم تھی، وہ جو کچھ کرتے تھے

۱؎ سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ص ۱۸۹ ۲؎ سیرت ابن عبد الحکم ص ۴۲ ۳؎ تاریخ الخلفاء ص ۲۳۹،
۴؎ سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ص ۱۸۱،

خدا کے ڈر، قیامت کے مواخذہ اور موت کے خوف سے کرتے تھے، ریاح بن زید کا بیان ہے کہ اُنھوں نے ایک بار عروہ کو لکھا کہ تم مجھ سے بار بار خط وکتابت کرتے ہو، اب میں جو احکام لکھ بھیجوں، اس کو فوراً نافذ کردو کیونکہ موت کا وقت ہم لوگوں کو معلوم نہیں[۱]،

خوف قیامت | روز قیامت سے نہایت خائف رہتے تھے، یزید بن حوشب کا قول ہے کہ

میں نے حسن بصریؒ اور عمرؒ بن عبدالعزیزؒ سے زیادہ کسی شخص کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا، گویا دوزخ صرف انہی دونوں کے لئے پیدا کی گئی تھی[۲]،

اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کی زندگی کے تمام واقعات اس کی تائید کرتے ہیں،

ایک دن اپنی بی بی فاطمہ کے پاس آئے، اور کہا کہ دابق میں ہمارا زمانہ اس زمانہ سے زیادہ خوشگوار تھا، یہ کہہ کر ان کو اس زمانے کے عیش وآرام کی یاد دلائی، فاطمہ نے کہا خدا کی قسم آج آپ اس زمانے سے زیادہ اہل مقدرت اور صاحب اختیار ہیں، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے یہ سُنا تو غمناک لہجے میں یہ کہتے ہوئے اُٹھ گئے کہ اے فاطمہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، فاطمہ اس پُر درد فقرے کو سنکر رو پڑیں، اور کہا کہ خداوندا ان کو دوزخ سے نجات دے[۳]،

ایک بار سفر میں تھے، چونکہ اسباب سے آگے نکل چکے تھے، اس لئے راہ میں گھوڑے سے اتر گئے، اور دیکھا کہ جو لوگ اسباب پہلے بھیج چکے ہیں، ان کے پاس سامان آرہا ہے؟ دیکھکر رو پڑے، سلیمان بن عبدالملک نے رونے کی وجہ پوچھی تو بولے اسی طرح قیامت کے دن جو شخص زادِ راہ پہلے بھیج چکا ہوگا وہ اس کو مل جائے گا، اور جس نے نہ بھیجا

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ ص۲۹ [۲] سیرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ ص۱۹۱
[۳] سیرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ ص۱۹۳

ہو گا، اوس کو کچھ نہ ملے گا، [۱]

اُنھوں نے بنو امیہ کی جائدادیں ضبط کر لیں تو ان کی پھوپھی نے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سب بغاوت کر دیں، لیکن اُنھوں نے کہا کہ اگر قیامت کے سوا میں اور کسی دن سے ڈروں تو خدا مجھے اُس دن سے نہ بچائے، اس کے بعد آگ پر ایک اشرفی گرم کی، جب وہ سُرخ ہو گئی تو اُس کو گوشت کے ایک ٹکڑے پر رکھا، وہ بھن گیا تو بولے، پھوپھی جان اپنے بھتیجے کے لئے اس سے ڈرو، [۲]

قرآن مجید کی جن آیتوں میں قیامت اور اہوال قیامت کا ذکر ہوتا ان کا اثر ان پر شدت کے ساتھ پڑتا تھا، ایک بار اون کی بی بی فاطمہ شدت کے ساتھ رونے لگیں، بھائیوں نے وجہ پوچھی تو بولیں کہ ایک رات میں نے ایک عجیب منظر دیکھا، میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نماز پڑھ رہے ہیں، جب یہ آیت پڑھی،

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ	جس دن لوگ مثل پھیلے ہوئے
الْمَبْثُوْثِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ	پروانوں کے اور پہاڑ مثل دھنکے
كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ، (قارعہ)	ہوئے اون کے ہوں گے،

تو چیخے کہ واسوا صباحاہ پھر اچھلے اور اچھل کر اس طرح گرے کہ میں نے خیال کیا کہ دم توڑ رہے ہیں، پھر ٹھہر گئے، میں نے خیال کیا کہ دم نکل گیا، پھر ہوش میں آئے، اور چلائے یا سوء صباحاہ، پھر اوچھلے اور تمام گھر میں پھر پھر کے کہنے لگے، افسوس اُس دن پر جس میں لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح، اور پہاڑ مثل دھنکے ہوئے اون کے

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۹۳ و سیرت ابن عبد الحکم (ص ۲۳) میں یہی واقعہ کسی قدر تغیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے [۲] طبقات ابن سعد ص ۲۷۵،

ہو ں گے پھر گرے اور اس طرح گرے کہ مردہ معلوم ہوتے تھے، یہاں تک کہ مؤذن

صبح نے بیدار کیا، ایک روز نماز میں یہ آیت پڑھی،

وقفوھم انھم مسئولون — انھیں ٹھہراؤ کہ ان سے سوال ہوگا

اس کا یہ اثر پڑا کہ بار بار اسی آیت کو پڑھتے رہے، اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے،[۲]

ایک بار سر منبر یہ آیت پڑھی،

ونضع الموازین القسط — قیامت کے دن ہم انصاف کی

یوم القیامۃ — ترازو کھڑی کریں گے،

تو خوف سے ایک طرف کو جھک گئے گویا زمین پر گر رہے ہیں،[۳]

خوف عذاب الٰہی | قیامت کے علاوہ ان کو دنیا ہی میں ہمیشہ عذاب الٰہی کا خوف لگا رہتا

تھا، ایک بار زور سے ہوا چلی تو ان کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا، ایک شخص نے پوچھا امیر المومنین

آپ کا یہ کیا حال ہو گیا؟ بولے دنیا میں جو قوم تباہ ہوئی ہے اس کو ہوا ہی نے تباہ کیا ہے[۴]

محبت رسول | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کا ادب و احترام ہر مسلمان کا

جزو ایمان ہے، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اجزائے ایمانیہ کا یہ جزو سب سے زیادہ

نمایاں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متبرک یادگاروں میں انھوں نے پلنگ، گدا،

پیالہ، چادر، چکی، ترکش اور عصا کو ایک کوٹھری میں محفوظ رکھا تھا، اور روزانہ اس کی زیارت

کرتے تھے، اگر کبھی قریش کا مجمع ہو جاتا تو ان کو لیجا کر ان مقدس یادگاروں کی زیارت

کرواتے اور کہتے کہ یہ اس مقدس ذات کی میراث ہے، جس کے ذریعہ سے خدا نے تم لوگوں

کو عزت دی ہے،[۵]

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۹۰ [۲] ایضاً ص ۱۹۱ [۳] ایضاً ص ۲۰ [۴] ایضاً ص ۱۹۱ [۵] ایضاً ص ۲۱۶-۲۱۷،

اس سرمایۂ حیات کے علاوہ اگر کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی یادگار مل جاتی تھی تو سر اور آنکھوں پر رکھتے اور اس سے برکت اندوز ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جاگیریں دی تھیں، اور اس کے متعلق ایک سند لکھدی تھی، اون کے خاندان کے ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو وہ سند دکھائی تو اس کو چوم کر آنکھوں پر رکھ لیا[1]،

انتقال ہونے لگا تو سب سے زیادہ اسی زاد آخرت کی فکر ہوئی چنانچہ وصیت کی کہ کفن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موے مبارک و ناخن پاک رکھے جائیں[2]،

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی گستاخانہ کلمہ کہتا تو اس پر سخت برہم ہوتے، ایک بار ان کی پیشی میں ایک محرر پیش کیا گیا، خود تو مسلمان تھا، لیکن اس کا باپ کافر تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ مہاجرین کی اولاد میں سے کسی کو کیوں نہیں لائے؟ محرر نے بیساختہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کا کفر آپ کے لئے کچھ مضر نہیں ثابت ہوا، بولے تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے برابر کر دیا، ہمارے یہاں تیرا کام نہیں[3]،

محبت اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب و تعلق نے اگرچہ اہل بیت کو تمام مسلمانوں کے نزدیک عزیز تر بنا دیا تھا، لیکن بنو امیہ کا خاندان ابتدا ہی سے سیاسی مصالح کی بنا پر ان کا دشمن بن گیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی اسی خاندان کے ایک رکن تھے، اور ان کے زمانے تک اس بغض و عداوت کا خمیر اس قدر پختہ ہو گیا تھا کہ خاندان بنو امیہ کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا تھا[4]، لیکن وہ خود اہل بیت کی محبت میں اس قدر مخمور و سرشار تھے کہ ایک بار گورنری مدینہ کے زمانہ میں اون کے یہاں فاطمہ بنت علی آئیں تو انھوں نے پہلے تمام پہرہ داروں اور غلاموں کو گھر سے نکلوا دیا، پھر تنہائی میں لیجا کر اون سے کہا کہ اے دختر علی

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مرارہ بن سلمی [2] طبقات ابن سعد ص ۳۰۳ [3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۶ [4] ایضاً ص ۱۱۰،

صفحۂ زمین پر مجھے کوئی خاندان تم سے زیادہ عزیز نہیں ہے، تم خود میرے خاندان سے زیادہ مجھے عزیز ہو،[۱] اُن سے پہلے خلفائے بنو امیہ نے حضرت علیؓ کی نسبت اہانت آمیز فقرے جمعہ کے خطبہ میں شامل کر دیئے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان فقروں کو خطبہ سے خارج کر دیا، چنانچہ کثیر عزۃ الخزاعی نے ایک قصیدے میں اس کی طرف مداحانہ طریقے سے اشارہ کیا ہے،[۲]

ولیت فلم تشتم علیا ولم تخف بریا ولم تتبع مقالۃ مجرم

تم خلیفہ ہوئے تو تم نے نہ علی کو گالی دی، نہ بری آدمیوں کو ڈرایا، نہ مجرمین کی بات پر گرفت کی،

اس قسم کے فقروں کے بجائے وہ ہمیشہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کے ذکر سے رطب اللسان رہتے تھے، ایک بار ان کے یہاں فرقۂ زہاد کا تذکرہ ہوا تو لوگوں نے مختلف لوگوں کے نام لئے، لیکن اُنھوں نے کہا کہ دنیا میں سب سے زیادہ زاہد حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تھے،[۳] صرف اہل بیت ہی کی خصوصیت نہیں، جو لوگ خاندان نبوت سے ادنی تعلق بھی رکھتے تھے ان کے ساتھ وہ اسی قسم کے فیاضانہ سلوک کرتے تھے، حضرت اسامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی زادہ تھے، ایک بار اُن کی بیٹی ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خود اٹھ کر گئے اور ہاتھ پکڑ کر ان کو لائے اور اپنی جگہ بٹھایا اور انکی تمام ضرورتیں پوری کیں،[۴] ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا آزاد شدہ غلام زریق ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یا امیر المومنین میں مدینہ کا رہنے والا ہوں، قرآن مجید اور فرائض مجھے یاد ہیں لیکن بیت المال کے رجسٹر میں میرا نام درج نہیں ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا کہ تم کس طبقہ کے آدمی ہو؟ بولا میں موالی بنی ہاشم میں ہوں، اُس نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کا نام لیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

---

[۱] طبقات ص ۲۴۵ [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۹۱ و تاریخ الخلفاء ص ۲۴۳، [۳] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۳۵، [۴] ایضاً ص ۱۷۳،

کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں خود علیؓ کا غلام ہوں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں جس کا مولیٰ ہوں، علیؓ بھی اس کے مولیٰ ہیں، پھر اپنے مولیٰ مزاحم سے پوچھا کہ اس قسم کے لوگوں کو کیا وظیفہ دیتے ہو؟ اس نے کہا سو یا دو سو درہم، بولے ولایت علیؓ کی بنا پر اس کو پچاس دینار دو،[1]

ایک بار خاندان بنو امیہ کے بہت سے لوگ دروازے پر منتظر بیٹھے ہوئے تھے، لیکن اُنھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے غلام کو سب سے پہلے باریابی کا موقع دیا، ہشام نے دیکھا تو جل کر کہا کہ کیا عمر بن عبدالعزیزؒ کو سب کچھ کر کے اب بھی تسکین نہیں ہوئی کہ ابن عباسؓ کے ایک غلام کو موقع دیتے ہیں کہ ہماری گردن پھاند کے چلا جائے،[2]

محبت مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ کے ادب و احترام کا شدت کے ساتھ لحاظ رکھتے تھے، مثلاً مدینہ کا جو حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کر دیا تھا، اس کے اندر کے درخت یا گھاس کو کاٹا نہیں جا سکتا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس کا اس قدر خیال تھا کہ فرماتے تھے کہ مجھے یہ گوارا ہے کہ ایک شخص کو میرے سامنے اس حالت میں لایا جائے کہ وہ شراب لے جاتا ہو، لیکن یہ گوارا نہیں کہ ایک شخص کو اس حالت میں لایا جائے کہ وہ حرم مدینہ سے کوئی چیز کاٹ کر لیجاتا ہو،[3]

مدینہ سے ان کو اسقدر شیفتگی تھی کہ جب وہاں سے شام کو چلے، تو اسکی طرف باچشم تر مڑکے دیکھا، اور اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ ہم اُن لوگوں میں سے تو نہیں ہیں جن کو مدینہ نے پھینک دیا ہے،[4] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مدینہ ایک بھٹی ہے جو میل کچیل کو پھینکدیتی اور خالص چیز کو پاکیزہ بنا دیتی ہے،

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ صفحہ ۱۶۲ [2] ایضاً صفحہ ۲۶ [3] معجم البلدان ذکر مدینہ،

[4] موطاے امام مالک باب ما جاء فی سکنی المدینہ،

کارنامہائے زندگی

تجدید و اصلاح

مذہب، سیاست، اخلاق، تمدن، غرض نظام عالم کے کل اجزاء جب زنگ آلود ہو جاتے ہیں، تو خدا ایک مصلح، ایک رفارمر اور ایک مجدد کو پیدا کرتا ہے، جو ان تمام چیزوں کو جلا دیکر نئے آب و رنگ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے،

سلیمان بن عبد الملک کے زمانۂ خلافت تک تاریخ اسلام پر پوری ایک صدی گذر چکی تھی، اور اس طویل زمانے میں اسلام کا نظام مذہب، نظام سیاست، نظام اخلاق اور نظام تمدن بالکل زنگ آلود ہو گیا تھا، اس لئے ان تمام چیزوں کی تجدید و اصلاح کے لئے ایک مجدد کی ضرورت تھی، اور حافظ جلال الدین سیوطی کو فخر ہے کہ مصر کی خاک نے سب سے پہلے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کے ذریعہ سے اس ضرورت کو پورا کیا، اور متصل کئی صدیوں تک پورا کرتی رہی، چنانچہ لکھتے ہیں،

من اللطائف ان مشاہیر المبعوثین	یہ ایک لطیفہ ہے کہ ہر صدی کی ابتداء میں جو مصلح پیدا
علی رؤس القرون مصریون عمرؓ بن	ہوئے وہ سب کے سب مصری تھے، یعنی پہلی صدی میں
عبد العزیز فی الاولی والشافعی فی الثانیۃ	عمرؓ بن عبد العزیزؒ، دوسری میں شافعی، ساتویں
وابن دقیق العید فی السابعۃ	میں ابن دقیق العید اور آٹھویں میں
والبلقینی فی الثامنۃ[۱]	بلقینی،

[۱] حسن المحاضرہ جلد اوّل ص۱۳۰،

لیکن تقدم زمانی کے ساتھ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو ان بزرگوں پر اور بھی مختلف حیثیتوں سے ترجیح حاصل ہے، ان بزرگوں کے کارنامے صرف مذہب تک محدود ہیں، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اسلام کے کل نظام یعنی مذہب، اخلاق، سیاست اور تمدن پر پورا اقتدار حاصل تھا، اس لئے اُنھوں نے ہر چیز کی اصلاح کی، چنانچہ ان تمام اصلاحات کی تفصیل حسب ذیل ہے،

خلافت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اگرچہ خلیفہ کے انتخاب کے متعلق اسلام کے جمہوری نظام کو دوبارہ قائم نہ کر سکے، اور اون کو سلیمان بن عبد الملک کی وصیت کے موافق اس امانت کو یزید بن عبد الملک کے سپرد کرنا پڑا، تاہم وہ دل سے اِس شخصی نظام کو پسند نہیں کرتے تھے،

اسلام میں سب سے پہلے شخصی انتخاب کے ذریعہ سے یزید خلیفہ ہوا تھا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اوس کو خلیفہ نہیں تسلیم کرتے تھے، چنانچہ ایک بار کسی نے یزید کو امیر المومنین کہا تو اس کو ۲۰ کوڑے مارے[1]،

تمام اولاد میں ان کو سب سے زیادہ محبت عبد الملک سے تھی، لیکن اون کے انتقال کے بعد جب اون کی زبان سے اون کے متعلق تحسین آمیز فقرے نکلے تو مسلمہ نے کہا کہ اے امیر المومنین اگر وہ زندہ رہتے تو آپ ان کو ولی عہد مقرر کرتے؟ بولے نہیں، اُنھوں نے کہا کیوں؟ ان کی تعریف تو آپ بہت کرتے ہیں، بولے مجھے خوف ہے کہ محبت پدری سے کہیں وہ مجھے محبوب نہ نظر آتے ہوں[2]،

خلیفہ کے شخصی انتخاب کے علاوہ شخصیت کا اثر اور بھی مختلف صورتوں میں نظر آتا تھا مثلاً تمام خاندان شاہی کو غیر معمولی اقتدار حاصل ہو گیا تھا، خلفاء کی طرف سے ان کو خاص

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹ [2] ایضاً صفحہ ۲۳۲،

وظائف و عطایا ملتے تھے، وہ ہر جگہ علانیہ تمام قوم سے ممتاز نظر آتے تھے، خلیفہ کو رعایا پر غیر معمولی تفوق حاصل تھا، یہاں تک کہ نماز کے بعد ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح درود بھیجا جاتا تھا، لوگ مخصوص طور پر ان کو سلام کرتے تھے، وہ چلتے تھے تو ساتھ ساتھ نقیب و علمبردار ہوتے تھے، وہ جنازے میں شریک ہوتے تھے تو ان کے لئے ایک خاص چادر بچھائی جاتی تھی، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی ان تمام نشیب و فراز کو مٹا کر سطح کو بالکل ہموار کر دیا، چنانچہ وظائف کی تقسیم میں ایسا مساویانہ طریقہ اختیار کیا کہ جو لوگ تفریق و امتیاز کے خوگر تھے وہ اُن سے بالکل الگ ہو گئے[۱]، ایک بار تمام مروانی خاندان اون کے پاس آیا، اور اپنے قدیم شخصی اقتدار کی بنا پر ان سے ملامت آمیز الفاظ میں کہا کہ آپ سے پہلے خلفاء ہمارے ساتھ جو مراعات کرتے تھے، آپ نے اون کو بالکل نظر انداز کر دیا بولے اگر پھر تم نے اس قسم کا مجمع کیا تو مدینہ چلا جاؤں گا، اور خلافت کو جمہوری کر دونگا، اعمش یعنی قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق خلافت کے اہل ہیں، اور مجھے اون کا نام یاد ہے[۲]،

خاندان شاہی کو عام مسلمانوں پر جو تفوق و امتیاز حاصل ہو گیا تھا، اس کی نسبت ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ دربار عام میں کسی کو کسی پر اس لئے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندان خلافت سے تعلق رکھتا ہے، یہ لوگ میرے نزدیک تمام مسلمانوں کے برابر ہیں[۳]، ایک بار اون کے دربار میں مسلمہ بن عبد الملک بحیثیت فریق مقدمہ کے حاضر ہوا، اور درباری فرش پر بیٹھ گیا بولے اس حالت میں میرے سامنے فرش پر نہ بیٹھو، اگر یہ گوارا نہیں ہے تو کسی کو وکیل مقرر کر دو ورنہ سب کے ساتھ برابر بیٹھو[۴]،

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۴ [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز صفحہ ۲۵۳،

[۳] ایضاً صفحہ ۲۵۲ [۴] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۳۰،

خلفاء پر نماز کے بعد جو درود و سلام بھیجا جاتا تھا، اس کے انسداد کے لئے عامل جزیرہ کے نام ایک فرمان روانہ کیا کہ جن وعظ پیشہ لوگوں نے یہ بدعت ایجاد کی ہے ان کو ہدایت کردو کہ درود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص اور دعا کو تمام مسلمانوں کے لئے عام کردیں، اور بقیہ تمام چیزوں کو چھوڑ دیں[1]، خود اپنے متعلق لکھا کہ مخصوص طور پر میرے لئے دعا نہ کرو، عموماً تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرو، اگر میں ان میں ہوں گا تو میں بھی اُن میں شامل ہو جاؤنگا[2]، ایک بار کسی نے انکو خصوصیت کے ساتھ سلام کیا تو بولے سلام عام طور پر کیا کرو[3]،

خلفاء کے ساتھ نقیب اور علمبردار کے چلنے کا طریقہ زیاد نے ایجاد کیا تھا اور حضرت امیر معاویہؓ نے ذاتی حفاظت کے لئے سب سے پہلے پہرہ دار مقرر کئے تھے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اس رسم کو بالکل مٹا دیا، چنانچہ جب وہ سلیمان ابن عبد الملک کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوکر بہ حیثیت خلیفہ کے روانہ ہوئے، تو کوتوال نیزہ لئے ہوئے ساتھ ساتھ چلا، لیکن انھوں نے اس کو سامنے سے ہٹا دیا، اور کہا کہ مجھے اس سے کیا غرض، میں تو صرف مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، چنانچہ سب کے ساتھ ساتھ مسجد میں گئے، اور اپنی خلافت کا اعلان کیا[4]،

قصر شاہی میں خلفاء کے لئے جو فرش مخصوص طور پر بچھایا جاتا تھا اس کو فروخت کرکے اسکی قیمت بیت المال میں داخل کردی[5]، خلفاء کے لئے نماز جنازہ کی شرکت کے وقت جو چادر عام مسلمانوں سے الگ خاص طور پر بچھائی جاتی تھی، جب وہ ایک جنازہ میں ان کے لئے بچھائی گئی، تو اُس کو پاؤں سے ہٹا کر زمین پر بیٹھ گئے[6]، غرض حضرت معاویہؓ

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۳ [2] طبقات ص ۲۰ [3] ایضاً ص ۲۵۳ [4] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۵۳ [5] ایضاً ص ۵۴ [6] ایضاً ص ۵۵

کے زمانہ سے لے کر سلیمان بن عبد الملک کے زمانے تک شخصیت کے مرقع میں جو نقش آگیا
کی گئی تھیں، انھوں نے ان سب کو مٹا دیا، اور تمام دنیا کو دربار خلافت میں حضرت عمرؓ
کی سادہ تصویر نظر آگئی،

مذہب | مذہب عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے
میں یہ دونوں اجزاء زنگ آلود ہو گئے تھے، عقائد میں قضا و قدر کا مسئلہ اس قدر دقیق ہے
کہ عام لوگوں کو اس کے متعلق غور و فکر کرنے کی اجازت دیجائے، تو عقائد اسلام کی پر عظمت
سادگی دفعۃً خاک میں مل جائے، اس بنا پر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں جب یہ خطرناک
مسئلہ پیدا ہوا اور غیلان دمشقی نے اس کا غلغلہ بلند کیا تو انھوں نے اس سے توبہ کرائی، اور
بظاہر اس نے توبہ بھی کر لی[1]،

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اگرچہ مسلمانوں کی خونریزی سے اس قدر اجتناب کرتے تھے کہ خوارج
کی گردنیں بھی اُن کی تلوار سے محفوظ ہو گئی تھیں، لیکن اس مسئلہ کے استیصال پر ان کو اس قدر
کد و اصرار تھا کہ اس عقیدے والوں کا قتل تک جائز رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار ابو سہیل سے
پوچھا کہ قدریہ کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو بہتر
ہے، ورنہ ان کی گردن اڑا دینی چاہیئے، بولے یہی رائے ہے، یہی رائے ہے[2]،

مذہبی اعمال میں نماز و زکوٰۃ دو چیزیں ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہر جگہ ایک ساتھ کیا
گیا ہے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور سے پہلے ان دونوں کا نظام ابتر ہو گیا تھا، نماز
میں اصلی چیز پابندی وقت ہے، اور جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا خیال تھا، قرآن مجید
کی اس آیت میں،

۱؎ تاریخ الخلفاء ص ۲۳۶ ۲؎ طبقات ابن سعد ص ۲۸۳

فخلف من بعد هم خلف اضاعوا	... کے بعد ایک ایسی نسل پیدا ہوئی جس نے
الصلوٰت واتبعوا الشہوات	نماز کو برباد کر دیا، اور شہوت کے پیچھے پڑ گئی،
فسوف یلقون غیا،	یہ لوگ عنقریب گمراہ ہونگے،

اضاعت صلوٰۃ سے یہی وقت کی عدم پابندی مراد ہے، لیکن امرائے بنو امیہ بالخصوص حجاج نے اوقات نماز کی پابندی بالکل ترک کر دی تھی، اس لئے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے عدی بن ارطاۃ کے نام ایک فرمان لکھا، جس میں خاص طور پر اس طرف توجہ دلائی،

فلا تستن لسنتہ فانہ کان یصلی	حجاج کی تقلید نہ کرو، کیونکہ وہ نماز
الصلوٰۃ لغیر وقتہا،[1]	بے وقت پڑھتا تھا،

علامہ جلال الدین سیوطی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہ شرف سلیمان بن عبد الملک کو حاصل ہوا، لیکن درحقیقت وہ بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ہی کے نیک مشورے کا نتیجہ تھا، چنانچہ علامۂ موصوف خود کہتے ہیں،

ومن محاسنہ ان عمر بن عبد العزیز	اور سلیمان بن عبد الملک کی خوبیوں میں سے
کان لہ کالوزیر فکان یمتثل	ایک خوبی یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز
اوامرہ فی الخیر فعزل عمال	مثل اس کے وزیر کے تھے اور وہ نیکی کے کاموں
الحجاج واخرج من کان فی	میں ان کے حکم پر عمل کرتا تھا، اس لئے اس نے
سجن العراق واحی الصلوٰۃ	حجاج کے عمال کو معزول کیا، عراق کے
لاول مواقیتہا وکان بنو امیۃ	قید خانہ کے قیدیوں کو رہائی دی، اول
اماتوھا بالتاخیر،[2]	اول وقت میں نماز کو قائم کیا، حالانکہ بنو امیہ

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؓ صفحہ ۸۶ و ۸۸ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۳،

زکوۃ کے جو شرعی مداخل و مخارج تھے، حجاج نے اون کی پابندی بالکل ترک کردی تھی لیکن حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ نے عدی بن ارطاۃ گورنر بصرہ کو اس طرف توجہ دلائی، اور اس معاملہ میں ان کو حجاج کی تقلید سے روکا، [۱]

خلفائے بنو امیہ نے مذہب کے متعلق سب سے بڑی بدعت جو ایجاد کی تھی، وہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ پر علانیہ خطبے میں لعن وطعن کرتے تھے، اور چونکہ لوگ اس کا سننا گوارا نہیں کرتے تھے اور خطبہ سننے سے پہلے ہی اٹھ جایا کرتے تھے، اسلئے امیر معاویہؓ نے نماز عیدین سے پہلے ہی خطبہ پڑھنا شروع کیا جو دوسری بدعت تھی لیکن حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ نے تمام گورنروں کے نام فرمان جاری کیا، اور خطبے میں حضرت علیؓ کے متعلق جو نا ملائم الفاظ شامل کر دیئے گئے تھے انکو نکلوا دیا اور اُن کی جگہ قرآن مجید کی یہ آیت

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان	خداوند تعالیٰ، عدل، احسان، قرابتداروں
وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء	کے دینے کا حکم دیتا ہے، اور فحش، برائی، اور ظلم
والمنکر والبغی یعظکم لعلکم	سے منع کرتا ہے، خدا یہ نصیحت اس لئے کرتا ہے
تذکرون،	کہ تم لوگ سمجھو،

داخل کر دی جو آج تک برابر پڑھی جاتی ہے، [۲]

بیت المال کی اصلاح سیاسی حیثیت سے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ نے جن صیغوں میں اصلاحات کیں، ان میں سب سے مقدم چیز بیت المال ہے،

(۱) بیت المال مختلف قسم کی آمدنیوں کے مجموعے کا نام ہے، جن میں ہر ایک کے مصارف و مداخل جدا جدا ہیں، غالباً حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ کے زمانے سے پہلے یہ تمام آمدنیاں ایک ہی جگہ جمع ہوتی تھیں، لیکن انھوں نے خمس، صدقہ اور فی کے متعلق الگ الگ

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۸۸ [۲] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴

بیت المال قائم کئے اور ہر ایک قسم کی آمدنی کو الگ الگ جمع کیا[۱]

(۲) بیت المال درحقیقت مسلمانوں کا مشترک خزانہ ہے، جس سے ہر مسلمان علی السویہ فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور سے پہلے تمام خاندان شاہی کو عام مسلمانوں سے الگ الگ مخصوص وظیفہ ملتا تھا جس کو وظیفہ خاصہ کہتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو کلیۃً بند کر دیا،

(۳) مداحانہ قصائد کے صلے میں شعراء کو بیت المال سے جو انعامات ملتے تھے ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بالکل موقوف کر دیا، ایک بار جریر نے چند اشعار پڑھے تو بولے میں کتاب اللہ میں تمہارا حق نہیں پاتا، اُس نے کہا میں مسافر بھی تو ہوں اُس پر پچاس اشرفیاں اپنے پاس سے دیں[۲]

(۴) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور سے پہلے یہ دستور تھا کہ عمال عشاء اور فجر کے وقت نماز کو جاتے تھے تو آدمی ساتھ ساتھ شمع لے کر چلتا تھا، اور اس کے مصارف کا بار بیت المال پر پڑتا تھا، جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں مسجد نبوی میں جو خوشبو سلگائی جاتی تھی، اس کے مصارف بھی بیت المال سے ادا ہوتے تھے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ دونوں رقمیں بند کر دیں[۳]

(۵) بیت المال کی آمدنیوں میں خمس کے پانچ مصرف متعین ہیں، جن کے علاوہ ان کو کسی دوسری جگہ صرف نہیں کیا جا سکتا، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے پہلے جو خلفاء تھے وہ اُن مصارف کا لحاظ نہیں کرتے تھے، مصارف خمس میں سب سے مقدم مصرف اہل بیت ہیں، لیکن ولید اور سلیمان بن عبدالملک نے باوجود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سمجھانے بجھانے

---

[۱] طبقات ص ۲۹۵ [۲] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۳، [۳] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۱ وطبقات ص ۲۹۵

کے ان کو بالکل اس حق سے محروم کر دیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ خمس کو ان کے صحیح مصارف میں صرف کیا اور اہل بیت کو ان کا حق دیا[۱]،

ان اصلاحات کے ساتھ بیت المال کی حفاظت اور نگرانی کا اس قدر سخت انتظام کیا کہ ایک بار یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم گیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کے افسر کو لکھا کہ میں تمھاری امانت پر کوئی الزام نہیں لگاتا، لیکن تمھاری بے پروائی و غفلت کو مجرم قرار دیتا ہوں، میں مسلمانوں کے مال کا ان کی طرف سے مدعی ہوں، تم پر فرض ہے کہ قسم کھاؤ[۲]،

دفتر کے لئے بیت المال سے کاغذ کے واسطے جو رقم ملتی تھی اس کی نسبت ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ قلم کو باریک کرلو، اور سطریں قریب قریب لکھو، اور تمام ضروریات میں کفایت شعاری کرو، کیونکہ میں مسلمانوں کے خزانے میں سے ایسی رقم صرف کرنا پسند نہیں کرتا، جس کا فائدہ ان کو نہ پہونچے[۳]،

محاصل کی اصلاح | خراج، جزیہ، اور ٹیکس ملکی محاصل ہیں، اور انہی کی باقاعدگی پر ملک اور سلطنت دونوں کے قیام، شادابی، اور سرسبزی کا دارومدار ہے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے عہد خلافت سے پہلے ان تمام چیزوں کا نظام اس قدر ابتر ہو گیا تھا، کہ وہ رعایا کے لئے بالکل ایک جبری چیز بن گئی تھیں،

(۱) اسلام میں جزیہ صرف غیر قوموں کے لئے مخصوص تھا، اس لئے اگر کوئی عیسائی، یہودی یا مجوسی مذہب اسلام میں داخل ہو جاتا تھا، تو وہ اس سے بالکل بری ہو جاتا تھا، لیکن حجاج نے اس فرق و امتیاز کو بالکل مٹا دیا تھا، اور وہ نومسلموں سے بھی جزیہ وصول کرتا تھا تاریخ مقریزی میں ہے

---

[۱] طبقات ابن سعد صفحہ ۲۸۰ و ۲۸۹ [۲] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص۵۵ [۳] ایضاً ص۵۲،

(۱) اول من اخذ الجزیۃ ممن اسلم من اھل الذمۃ الحجاج[1] — ذمیوں میں جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے، ان سے سب سے پہلے حجاج نے جزیہ وصول کیا،

(۲) نوروز اور مہرجان پارسیوں کا تہوار تھا اور اس تہوار کے رسم و رواج کے پابند صرف پارسی ہو سکتے تھے، لیکن امیر معاویہؓ نے ان تہواروں کو رعایا سے ایک غیر معمولی رقم بطور ہدیہ کے لینا شروع کی تھی، جس کی مقدار ایک کروڑ تھی،[2]

(۳) حجاج کا بھائی محمد بن یوسف جب یمن کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے وہاں کے باشندوں پر سخت مظالم کئے، اور ان پر ایک جدید ٹیکس لگایا،[3]

(۴) فرات میں کچھ خراجی زمین تھی، لیکن جب وہاں کے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے، اور کچھ اراضی دوسرے لوگوں کے ہاتھ سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی تو وہ حسب معمول عشری ہو گئی لیکن حجاج نے اپنے زمانے میں ان لوگوں سے بھی خراج وصول کیا،[4]

(۵) رعایا پر مختلف قسم کے ٹیکس لگائے گئے تھے، روپیہ ڈھالنے پر ٹیکس، چاندی پگھلانے پر ٹیکس، عرائض نویسی پر ٹیکس، دوکانوں پر ٹیکس، گھروں پر ٹیکس، پن چکیوں پر ٹیکس، نکاحانہ، غرض کوئی چیز ٹیکس سے بری نہ تھی، اور یہ تمام ٹیکس ماہوار وصول کئے جاتے تھے، اور اس لئے اس کو مال ہلالی کہا جاتا تھا،[5]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ ان میں بعض قسم کی آمدنیاں شرعاً ناجائز ہیں، اور بعض سے رعایا پر غیر معمولی بار پڑ رہا ہے، اس لئے انھوں نے ان کو یک لخت موقوف کر دیا،

[1] مقریزی کا ج اول ص ۷۷، ۸۰، [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۲۷۵ [3] فتوح البلدان ص ۸۰ [4] ایضاً ص ۲۷۵
[5] کتاب الخراج ص ۷۹ و مقریزی جلد ۱ ص ۱۰۱،

(۱) نومسلموں سے جو جزیہ وصول کیا جاتا تھا، اس کی نسبت حیان بن شریح کو لکھا کہ ذمیوں میں جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اُن کا جزیہ ساقط کر دیا جائے، کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ و	جو لوگ توبہ کرلیں نماز پڑھیں اور زکوٰۃ
اٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلهم ان اللّٰہ	دیں ان کی راہ چھوڑ دو، بے شبہہ خدا مغفرت
غفور رحیم،	کرنے والا مہربان ہے،

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے،

قاتلوا الذین لا یؤمنون باللّٰہ	اہل کتاب میں ان لوگوں سے لڑو جو خدا
ولا بالیوم الاٰخر ولا یحرمون	پر اور روز قیامت پر ایمان نہیں لاتے
ما حرم اللّٰہ ورسولہ ولا یدینون	اور خدا اور خدا کے رسول نے جس چیز کو
دین الحق من الذین اوتوا الکتاب	حرام کر دیا اسکو حرام نہیں سمجھتے اور سچے مذہب
حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم	کی پابندی نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ ذلت
صاغرون،	کے ساتھ جزیہ دیں،

اس حکم کی بنا پر اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ جزیہ کی آمدنی دفعۃً گھٹ گئی، چنانچہ حیان بن شریح نے ان کو اطلاع دی کہ ذمیوں کے اسلام نے جزیہ کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ میں نے ۲۰ ہزار اشرفیاں قرض لے کر مسلمانوں کے عطیے تقسیم کئے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کی کچھ پروا نہیں کی اور لکھا کہ میں نے جب تمہیں مصر کا عامل مقرر کیا تھا، اسی وقت تمہاری کمزوری سے واقف تھا، میں نے قاصد کو حکم دیا ہے کہ تمہارے سر پر سو کوڑے لگائے، جزیہ کو موقوف کرو، کیونکہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ محصل خراج،[۱]

---

[۱] مقریزی جلد اول صفحہ ۷۸

حیرہ کے یہودی عیسائی اور مجوسی جن سے جزیہ کی رقم وصول ہوئی تھی جب اسلام لائے تو عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے اُن سے جزیہ وصول کرنا چاہا، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے اس کی اجازت طلب کی، اُنھوں نے لکھا کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو داعی اسلام بنا کر بھیجا تھا، نہ کہ محصلِ خراج، ان مذاہب کے لوگوں میں جو لوگ اسلام لائیں ان کے مال میں صرف صدقہ ہی، جزیہ نہیں[1]،

جراح کی نسبت جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ نومسلموں سے جزیہ وصول کر رہے ہیں، تو اون کو معزول کر دیا[2]،

نومسلموں کے جزیہ کی موقوفی پر ان کو اس قدر اصرار تھا کہ ایک بار لکھا کہ اگر ایک ذمی کا جزیہ ترازو کے پلوں میں رکھا جا چکا ہو، اور اسی حالت میں وہ اسلام قبول کرے، تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے، ان کا قول تھا کہ اگر سال تمام سے ایک دن پیشتر بھی کوئی ذمی مسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا[3]،

(۲) نوروز اور مہرجان کے ہدیے کے متعلق حکم دیا کہ ان تہواروں میں اون کے پاس کوئی چیز نہ بھیجی جائے[4]،

(۳) حجاج کے بھائی محمد یوسف نے اہل یمن پر جو جدید خراج مقرر کیا تھا اس کو بالکل معاف کر دیا اون پر صرف عشر مقرر کیا[5]،

(۴) فرات کے مسلمانوں کی جن زمینوں کو حجاج نے دوبارہ خراجی قرار دیا تھا اُن کو عشری قرار دیا[6]،

---

[1] کتاب الخراج ص ۷۰، [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۶۲ [3] طبقات ابن سعد ص ۲۶۲ [4] ایضاً ص ۲۷۰،
[5] فتوح البلدان ص ۸۰ [6] فتوح البلدان ص ۳۷۵،

(۵) رعایا پر جو نامناسب ٹکس لگائے گئے تھے ان کی موقوفی کا حکم دیا، عربی زبان میں اس قسم کے ٹکسوں کو مکس کہتے ہیں، اس لئے فرمایا کہ یہ مکس نہیں بلکہ بخس ہے، وہ بخس جس کی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

ولا تبخسوا الناس اشیائھم ولا	لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین
تعثوا فی الارض مفسدین[1]	میں فساد نہ پھیلاؤ،

ان اصلاحات کے ساتھ ہمیشہ یہ خیال رکھتے تھے کہ صدقہ وزکوٰۃ ناجائز طریقہ سے وصول نہ کئے جائیں، پہلے پلوں اور شاہراہوں پر محصل زکوٰۃ وصدقہ وصول کرتے تھے، لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ لوگ اس طریقہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، تو اس کو بالکل موقوف کردیا، اور ہر شہر میں ایک عامل مقرر کیا جو زکوٰۃ وصول کرتا تھا[2]،

خراج کے متعلق انھوں نے عبدالحمید بن عبدالرحمان کو جو فرمان لکھا تھا، اسکو قاضی ابو یوسف نے بلفظہٖ نقل کردیا ہے، چونکہ اس سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے طرزِ عمل کا نہایت تفصیل کے ساتھ اندازہ ہوتا ہے، اس لئے ہم اس کا لفظی ترجمہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں،

زمین کا معائنہ کرو، بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر پر نہ ڈالو، بنجر زمینوں کا معائنہ کرو، اگر ان میں کچھ صلاحیت ہو تو بقدر گنجائش اس سے خراج لو، اور اس کی اصلاح کرو تاکہ آباد ہوجائے، جن آباد زمینوں سے کچھ پیداوار نہیں ہوتی ان سے خراج نہ لو، اور جو زمینیں قحط زدہ ہوجائیں ان کے مالکوں سے نہایت نرمی کیساتھ خراج وصول کرو، خراج میں صرف وزن سبعہ لو، جن میں سونا نہ ہو، ٹکسال اور چاندی پگھلانے والوں سے ٹکس، نوروز اور مہرجان کے ہدئے، عرائض نویسی اور فتوح کا

---

[1] مقریزی جلد ۱ ص ۱۰۳ وطبقات ابن سعد ص ۲۸۳ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۷۹،

ٹکس، گھروں کا ٹکس، اور نکاحانہ نہ لو، اور جو ذمی مسلمان ہو جائیں ان پر خراج نہیں ہے[1]

یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اس واگذاشت، اس مراعات، اور اس رفق و ملاطفت کے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے زمانے میں جو مالگذاری وصول ہوئی، اس سے حجاج کے پُر مظالم زمانہ کو کوئی نسبت نہیں، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ خود فخریہ فرماتے تھے، کہ خدا حجاج پر لعنت کرے اس کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی، حضرت عمر بن خطابؓ نے عراق سے ۱۰ کروڑ ۲۰ لاکھ درہم زیادہ نے ۱۰ کروڑ ۲۰ لاکھ درہم اور حجاج نے باوجود ظلم کے ۲ کروڑ اسی لاکھ درہم وصول کئے، اس نے کاشتکاروں کو ۲۰ لاکھ درہم زمین کی آبادی کے لئے بطور قرض کے دیئے تو ایک کرور ساٹھ لاکھ اور وصول ہوئے، لیکن باوجود اس ویرانی کے عراق میرے قبضہ میں آیا تو میں نے ۱۰ کرور ۲۴ لاکھ درہم وصول کئے اور اگر زندہ رہا تو حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانے سے بھی زیادہ وصول کرونگا،[2]

جیل خانے کی اصلاح مجرموں کو جرائم پر سزا دینا، اگرچہ قیام امن کے لئے ضروری ہے، تاہم وحشت و تمدن کے لحاظ سے سزا کی نوعیت اور مجرمین کی حالت میں اختلاف ہوتا رہتا ہے، اسلام چونکہ ایک متمدن سلطنت کا بانی تھا، اس لئے اس نے قیدیوں کے ساتھ اُن تمام مراعات کو قائم رکھا، جو مقتضائے انسانیت تھیں، ان مراعات کی ابتدا سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی، اور حکم دیا کہ قیدیوں کے کھانے کپڑے کا انتظام بیت المال سے کیا جائے، اُن کے بعد اگرچہ تمام خلفاء نے اس طریقہ کو قائم رکھا،[3] لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے زمانے تک اس میں متعدد خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں،

(۱) ولید صرف شبہہ کی بنا پر لوگوں کو گرفتار کرتا تھا اور انکو قتل تک کی سزا دیتا تھا،[4]

(۲) جو قیدی اپنے وطن اور عزہ و اقارب سے دور قید خانے میں مر جاتے تھے، ان کی لاش

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷۔ [2] معجم البلدان ذکر سواد۔ [3] کتاب الخراج صفحہ ۸۔ [4] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۴۳،

دو دو دن تک قید خانے میں پڑی رہتی تھی خود قیدی باہم صدقہ وخیرات کی رقمیں جمع کرکے مزدوروں کے ذریعہ سے قبرستان تک ان کی لاش پہنچوا دیتے تھے، اور وہ بلا غسل وکفن وبلا نماز جنازہ دفن کر دیئے جاتے تھے[۱]

(۳) اسلام نے خود جن جرائم پر سزائیں مقرر کر دی ہیں ان میں تو کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا، تاہم اسلام نے تعزیر کی کوئی تحدید نہیں کی ہے اور اس کو خود امام کی رائے پر چھوڑ دیا ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں عمال نے اس میں اس قدر سختیاں کر دی تھیں کہ بعض جرائم پر بلکہ صرف الزام وشبہہ پر تین تین سو کوڑے مارتے تھے[۲]

(۱) حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ان تمام ظالمانہ طریقوں کی طرف توجہ کی، اور ان میں ہر ایک کو مٹایا،

موصل میں چوری کی وارداتیں بکثرت ہوتی تھیں، اس لئے اس کے انسداد کے لئے وہاں کے عامل نے اون سے دریافت کیا کہ میں لوگوں کو شبہہ پر گرفتار کرکے سزا دوں؟ اونھوں نے جواب دیا کہ طریقہ سنت کے موافق ان کو شہادت کی بنار پر گرفتار کرو، اگر حق ان کی اصلاح نہیں کر سکتا تو خدا ان کی اصلاح نہ کرے[۳]،

(۲) قیدیوں کے بے گور وکفن چھوڑ رکھنے کا جو طریقہ جاری ہو گیا تھا، اس کی نسبت عمال کو لکھا کہ اسلام میں یہ کتنا بڑا گناہ ہے[۴]،

(۳) شبہہ پر جو سخت سزائیں دیجاتی تھیں اس کی نسبت اخلاقی حیثیت سے کہا کہ یہ بالکل جائز نہیں ہے، بجز شرعی حقوق کے ہر حال میں مسلمانوں کی پیٹھ بالکل محفوظ ہے[۵]،

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۸۶ [۲] ایضاً صفحہ ۹۵، [۳] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ صفحہ ۹۰ [۴] کتاب الخراج صفحہ ۸۹ [۵] ایضاً صفحہ ۸۵،

اور قانونی طور پر تعزیر کی تحدید کر دی، جس کی انتہائی مقدار ۳۰ کوڑے تھی[1] اس کے ساتھ قیدیوں کیساتھ مختلف قسم کی مراعات کیں،

(۱) عام حکم دیا کہ کسی مسلمان قیدی کو اتنی بھاری بیڑیاں نہ پہنائی جائیں کہ وہ نماز نہ پڑھ سکیں اور قاتل کے سوا، رات کو تمام مجرمین کے پاؤں سے بیڑیاں اتار دیجائیں[2]

(۲) قیدیوں کو جو کھانا ملتا تھا اس کی نسبت ملازمین جیل کو بددیانتی کا خیال تھا، اس لئے حکم دیا کہ کھانے کے بجائے ان کو ماہوار روپیہ دیا جائے[3]

(۳) قیدیوں کی مختلف نوعیت اور مختلف حالت کے لحاظ سے ان کے لئے الگ الگ احکام جاری کئے، چنانچہ تمام صوبوں کے گورنروں کو لکھا کہ اگر بیمار قیدیوں کے عزیز و اقارب نہ ہوں یا ان کے پاس مال نہ ہو تو ان کی خبرگیری کرو، جو لوگ قرض کے بارے میں قید کئے جائیں ان کو اور مجرموں کے ساتھ ایک کوٹھری میں نہ رکھو اور عورتوں کو الگ قید کرو اور جیلر ایسا شخص مقرر کرو جو قابل اعتماد ہو اور رشوت نہ لے،

ان احکام کے ساتھ ابوبکر بن حزم کو خصوصیت کے ساتھ لکھا کہ ہفتے کے روز جیل خانے کا معائنہ کیا کریں[4] اور دوسرے عمال کو قیدیوں کے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت کی[5]

جیل خانے کے متعلق انھوں نے جو فرمان جاری کیا تھا، اگرچہ اس کا خلاصہ اوپر گذر چکا ہے، تاہم اس موقع پر ہم اس کا بلفظہ ترجمہ کر دینا مناسب سمجھتے ہیں، کیونکہ اس سے ان کے طرز عمل پر مزید روشنی پڑے گی،

"قید خانے میں کسی مسلمان کو اس طرح بیڑی نہ پہنائی جائے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اور بجز قاتل کے رات کے وقت ہر قیدی کی بیڑی اتار لی جائے"

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۸۳ [2] کتاب الخراج ص ۸۵ [3] ایضاً [4] طبقات ابن سعد ص ۲۷۳ [5] ایضاً ص ۲۸۲،

ان کا اتنا وظیفہ مقرر کرو جو ان کے کھانے کے لئے کافی ہو، اس کا اندازہ کر لو، اور یہ وظیفہ
ان کو ماہوار دو، کیونکہ اگر ان کو روٹی دی جائے گی، تو قید خانہ کے نگران کار اس کو
اڑالیں گے، اس کا انتظام ایک نیک آدمی کے سپرد کرو جو ان کے نام کو رجسٹر میں درج
کرے، اور وہ رجسٹر اس کے پاس رہے، اور وہ ہر مہینے میں بیٹھ کر ایک ایک قیدی
کا نام لے کر پکارے اور خود ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا وظیفہ دے، جو لوگ رہا ہو جائیں
ان کا وظیفہ بند کر دیا جائے، اور ہر قیدی کو مہینے میں دس درہم دیئے جائیں، لیکن ہر
قیدی کو وظیفہ دینے کی ضرورت نہیں ہے،

قیدیوں کو جاڑوں میں ایک قمیص اور ایک کمل، اور گرمیوں میں قمیص اور تہ بند دینا
ہو گا، عورتوں کو بھی اسی قدر وظیفہ ملے گا، لیکن ان کے لباس میں ایک برقع کا اضافہ
کرنا ہو گا،

قیدیوں کو اس سے بے نیاز کر دو کہ وہ بیڑیاں ہلاتے ہوئے نکلیں کہ لوگ ان کو صدقہ
و خیرات دیں، کیونکہ یہ ایک بڑا جرم ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جو جرائم کی پاداش
میں قید ہو، اس طرح نکلے، میرا خیال ہے کہ اہل شرک بھی مسلمان قیدیوں کے ساتھ ایسا
سلوک نہ کرتے ہوں گے، پھر مسلمانوں کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟
یہ لوگ بھوک کی شدت کی وجہ سے اس طرح پابند سلاسل نکلتے ہیں، اور کبھی کھانے پینے
کے لئے کچھ پا جاتے ہیں، اور کبھی نہیں پاتے، کوئی آدمی گناہ سے محفوظ نہیں ہے، ان کی
خبر گیری کرو اور جیسا کہ میں نے لکھا ان کو وظیفہ دو، جو قیدی مر جائیں، اور ان کے عزیز
و اقارب نہ ہوں ان کی تجہیز و تکفین کا سامان بیت المال سے کیا جائے، اور نماز جنازہ
کے بعد وہ دفن کئے جائیں، مجھے معتمد لوگوں کے ذریعہ سے اطلاع ملی ہے کہ جب کوئی

غریب الوطن قیدی مرجاتاہے، تو وہ قید خانے میں دو دو دو دن تک پڑا رہتا ہے یہاں تک کہ جب والی سے اس کے دفن کے متعلق اجازت لے لی جاتی ہے، اور جب خود قیدی اس کے لئے صدقہ جمع کرتے ہیں اور اجرت پر اس کی لاش کو قبرستان میں بھیجتے ہیں تو وہ بلا غسل و کفن اور بلا نماز جنازہ کے دفن کیا جاتا ہے، اسلام میں یہ کتنا بڑا گناہ ہے، اگر تم حدود کو جاری کرو تو قیدی کم ہو جائیں، اور بدمعاش اور ڈاکو ڈرنے لگیں، اور اپنے جرائم سے باز آئیں، قیدیوں کی تعداد صرف عدم نگرانی سے زیادہ ہوتی ہے، یہ صرف قید ہے، نگرانی نہیں ہے، اپنے تمام عمال کو ہدایت کرو کہ روزانہ قیدیوں کی نگرانی کریں، جن لوگوں کی اصلاح صرف تادیب سے ہو سکے ان کو تادیب کرکے رہا کر دیا جائے اور جس پر کوئی مقولہ قائم نہ ہو اسکو بالکل رہا کر دیا جائے، انکو یہ بھی ہدایت کرو کہ تادیب و تعزیر میں حد اعتدال سے آگے قدم نہ بڑھائیں، کیونکہ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ لوگ مجرمین کو صرف شبہہ کی بنا پر دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے کم و بیش کوڑے لگواتے ہیں، لیکن یہ جائز نہیں ہے، مسلمان کی پیٹھ بجز حق شرعی کے ہر حالت میں محفوظ ہے[1]،

اس فرمان کو پڑھو اور غور کرو کہ اس تمدن و تہذیب کے زمانے میں قید خانے کی اصلاح کا جو معیار قائم کیا گیا ہے، کیا وہ اس سے بلند ہے؟

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۹،
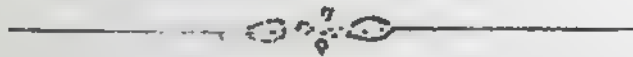
اشاعتِ اسلام

اسلامی سلطنت طول وعرض میں اگر مشرق سے مغرب تک پھیل جائے، لیکن اس میں کوئی خدا کا نام لینے والا نہ ہو تو وہ صرف سیاسی حیثیت سے اسلامی سلطنت ہوگی، مذہب کی زبان سے اس کو یہ خطاب نہ مل سکے گا، اسلامی ممالک کا تمغاے، امتیاز صرف توحید کی پاک آواز ہے اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں اس کا غلغلہ ممالک محروسہ کے گوشے گوشے سے بلند ہوا، انھوں نے اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد اشاعت اسلام کو قرار دیا، اور اس پر ہر قسم کی مادی اور اخلاقی طاقت صرف کی، جو افسر کفار کے ساتھ معرکہ آرا تھے ان کو ہدایت کی،

لا تقاتلن حصنا من حصون	رومیوں کے کسی قلعہ اور کسی جماعت
الروم ولا جماعۃ من جماعاتھم	سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک
حتی تدعوھم الی الاسلام[۱]	انکو اسلام کی دعوت نہ دے لو،

لوگوں کو ایتلاف قلب کے لئے بڑی بڑی رقمیں دیکر اسلام کی طرف مائل کیا، چنانچہ ایک بار ایک پادری کو اس غرض سے ہزار اشرفیاں دیں[۲]،

شاہان ماوراءالنہر کو اسلام کی دعوت دی اور ان میں بعض نے اسلام قبول کیا، چنانچہ علامہ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں،

کتب الی ملوک ماوراء النھر	انھوں نے ماوراءالنہر کے بادشاہوں

۱؎ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۶۱ ۲؎ ایضاً ص ۲۵۵،

يدعوهم الى الاسلام فاسلم بعضهم[1] (فتوح البلدان صلا۲۲)

کو دعوتِ اسلام دی اور ان میں بعض اسلام لائے،

سندھ کے سلاطین کے نام دعوت نامہ روانہ کیا، تو چونکہ وہ لوگ ان کے حسن اخلاق کی شہرت پہلے سے سُن چکے تھے، اس لئے بہت سے بادشاہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنا نام عربی رکھا، علامہ بلاذری لکھتے ہیں،

فکتب الى الملوك يدعوهم الى الاسلام والطاعة على ان يملكهم ولهم ما للمسلمين وعليهم ما عليهم وقد كانت بلغتهم سيرته ومذهبه فاسلم حليشه والملوك وتسموا باسماء العرب[1]،

انھوں نے بادشاہوں کو اسلام اور طاعت کی طرف اس شرط پر دعوت دی کہ انکی بادشاہی میں کوئی خلل نہ آئیگا اور جو حقوق مسلمانوں کے ہیں انکو ملیں گے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں وہ اُن پر عائد ہونگی، چونکہ تمام بادشاہوں کو ان کے کیریکٹر کا حال معلوم ہوچکا تھا، اس لئے حلیشہ اور دوسرے بادشاہ مسلمان ہوگئے اور عربی نام رکھے۔

جراح بن عبد اللہ الحکمی کو جو خراسان کے عامل تھے، لکھا کہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں اور وہ اسلام لائیں تو ان کا جزیہ معاف کر دیں، چنانچہ انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان کے ہاتھ پر چار ہزار ذمی اسلام لائے،[2] جراح کے حسن خلق کی شہرت پھیلی تو ان کے پاس تبت سے وفود آئے کہ اُن کے یہاں داعیانِ اسلام روانہ کریں، چنانچہ اس غرض سے انھوں نے سلیط ابن عبد اللہ الحنفی کو روانہ کیا،[3]

اسمٰعیل بن عبد اللہ بن ابی المہاجر جو مغرب کے عامل تھے، وہ اگرچہ بذات خود اس خدمت

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۶ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۲۸۵ [3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۶۲،

میں مصروف تھے، اور بربر کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، لیکن جب حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا دعوت نامہ پہونچا اور اسمٰعیل نے اس کو پڑھ کر سنایا تو اس کا اس قدر اثر ہوا کہ اسلام تمام مغرب کے افق پر چھا گیا، علامہ بلاذری لکھتے ہیں،

ثم لما کانت خلافۃ عمر بن عبد العزیز	پھر جب حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا دور آیا تو
ولی المغرب اسماعیل بن عبد اللہ	انھوں نے اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر کو
بن ابی المہاجر فسار احسن سیرۃ	مغرب کا گورنر مقرر کیا، انھوں نے نہایت عمدہ
ودعی البربر الی الاسلام وکتب	روش اختیار کی اور بربر کو اسلام کی دعوت
الیھم عمر بن عبد العزیز کتبا	دی، اس کے بعد خود حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز
یدعوھم بعد الی ذلک فقرأہ	نے ان کے نام دعوت نامہ روانہ کیا، اسمٰعیل
اسماعیل علیھم فی النواحی فغلب	نے یہ دعوت نامہ اُن کو پڑھکر سنایا تو
الاسلام علی المغرب[۱]،	اسلام مغرب پر غالب ہوگیا،

اُن کے زمانے میں اشاعتِ اسلام کا سب سے زیادہ موثر سبب یہ ہوا کہ حجاج کی ظالمانہ روش کے مطابق نو مسلموں سے اب تک جو جزیہ وصول کیا جاتا تھا انھوں نے اُس سے اُن کو بالکل بری کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ جزیہ کی آمدنی میں دفعۃً غیر معمولی کمی پیدا ہو گئی، عمال نے ان کو اس کمی کی طرف توجہ دلائی تو انھوں نے سب کو لکھدیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے داعی اسلام بنا کر بھیجا تھا نہ کہ محصل خراج، ایک بار عدی بن ارطاۃ نے ان کو لکھا کہ اس کثرت سے لوگ اسلام لا رہے ہیں کہ مجھے خراج میں کمی واقع ہونے کا اندیشہ ہے، انھوں نے ان کو جواب دیا کہ میری یہ خواہش ہے کہ تمام لوگ مسلمان ہو جائیں اور ہماری اور تمھاری حیثیت صرف ایک کاشتکار کی رہ جائے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھائیں[۲]،

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۲۳۱،
[۲] سیرت عمر ابن عبدالعزیز صفحہ ۹۵

احیاے شریعت

خاندان بنو امیہ میں جن خلفار کا نام تاریخ کے اوراق میں روشن نظر آتا ہے، ان میں ولید، سلیمان اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نہایت نمایاں ہیں، لیکن جن خصوصیات نے ان کے عہدِ خلافت کو اس قدر نمایاں کیا ہے، وہ بالکل مختلف ہیں، ولید جیسا کہ ایک راوی بیان کرتا ہے

کان صاحب بناء واتخاذ المصانع	عمارات وغیرہ کا بانی تھا، اور لوگ
والضیاع وکان الناس یلتقون	اس کے زمانے میں باہم ملتے تھے تو
فی زمانہ فانما یسئل بعضھم	صرف عمارات ہی کا حال پوچھتے
بعضا عن البناء والمصانع،	تھے،

اور سلیمان بن عبدالملک،

کان صاحب نکاح وطعام	کھانے والا اور نکاح کرنے والا بادشاہ تھا،
فکان الناس یسئل بعضھم	اس لئے اس کے عہد میں لوگ صرف شادی
بعضا عن التزویج والجواری،	اور لونڈیوں کا چرچا کرتے تھے،

لیکن حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اپنی حکومت کا ستون صرف روحانیت کو بنایا اس بنا پر

فلما ولی عمر بن عبدالعزیز کانوا	جب وہ خلیفہ ہوئے تو باہمی ملاقات
یلتقون فیقول الرجل للرجل	میں ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا تھا
ما وردك الليلة وكم تحفظ	کہ رات کو تم کونسا وظیفہ پڑھتے ہو؟

من القرآن ومتی تختم ومتی ختمت	تم کتنا قرآن یاد کیا ہے؟ تم قرآن کب ختم کروگے
وما تصوم من الشھر[1]،	اور کب ختم کیا تھا؟ اور مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو؟

لیکن یہ ان کے دور حکومت کی خصوصیت کا نہایت اجمالی بیان ہے، اس لئے ہمکو تفصیل کے ساتھ بتانا چاہئے، کہ سنت نبویہ کے احیاء، بدعات کے امحاء اور شرائع اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے متعلق ان کے کیا کیا کارنامے ہیں؟

اسلام درحقیقت چند اعمال وعقائد کے مجموعے کا نام ہے، جن کا تحفظ و بقا ہر مسلمان بادشاہ کا فرض ہے، حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے ان اعمال وعقائد کے تحفظ وبقاء کو اپنی زندگی کا اصلی مقصد اور اپنے دور خلافت کا طغرائے امتیاز قرار دیا، چنانچہ جزیرہ کے عامل عدی ابن عدی کے نام اونھوں نے جو فرمان بھیجا اس میں اس مقصد کو نہایت واضح طور پر ظاہر کردیا، چنانچہ اس فرمان کے الفاظ حسب ذیل ہیں،

ان للایمان فرائض وشرائع	ایمان چند عقائد، چند احکام اور چند سنن کا
وحدودا وسننا فمن استکملھا	نام ہے، جس شخص نے ان تمام اجزاء کی تکمیل کرلی
استکمل الایمان ومن لم یستکملھا	اس نے ایمان کو مکمل کرلیا، اور جس شخص نے انکو مکمل نہیں
لم یستکمل الایمان فان اعش فسا	کیا اس نے ایمان کو مکمل نہیں کیا، پس اگر زندہ رہا
بینھا لکم حتی تعملوا بھا وان	تو ان تمام اجزاء کو تمھارے سامنے بیان کردونگا
امت فما انا علی صحبتکم بحریص[2]	تاکہ تم لوگ اون پر عمل کرو، اور اگر مرگیا تو میں تمہاری صحبت کا حریص نہیں

اور اپنی زندگی میں، انھوں نے ان اجزا کو جس طرح قائم رکھا، جس طرح ان کا تحفظ کیا، اور جس طرح ان کی ترویج واشاعت کی، اسکی نظیر کسی خلیفہ یا بادشاہ کے دور حکومت میں نہیں مل سکتی،

[1] تاریخ طبری ص ۱۳۶۳ واقعات سنہ ۹۹ھ [2] بخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس،

عقائد | عقائد کے رسوخ و استحکام کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ مذہبی اسرار و رموز میں زیادہ غور و خوض اور موشگافی نہ کی جائے، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اگرچہ کبھی کبھی ذاتی طور پر اس قسم کے مباحث میں حصہ لیتے تھے، چنانچہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو عون بن عبد اللہ، موسیٰ بن ابی کثیر، اور عمر بن حمزہ ان کی خدمت میں آئے اور مسئلہ ارجاء کے متعلق ان سے مناظرہ کیا، اور ان لوگوں کا بیان ہے کہ اُنھوں نے اس مسئلہ میں ان سے موافقت[1] کی، لیکن اس کے ساتھ وہ عام طور پر لوگوں کو کبھی اس قسم کے دقیق مسائل کی طرف مائل نہیں ہونے دیتے تھے، چنانچہ ایک بار کسی شخص نے اسی قسم کا کوئی مسئلہ پوچھا تو بولے کہ مکتب کے بچوں اور صحرا کے بدوؤں کا دین اختیار کرو اور اس کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ[2]، فرماتے تھے کہ جب کسی قوم کو دیکھو کہ وہ عوام کے سامنے اس قسم کی مذہبی گفتگو کرتی ہے تو سمجھو کہ گمراہی کی بنیاد ڈالتی ہے[3]،

عقائد کے متعلق جو نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے تھے، ان کو محدثین کی اصطلاح میں "اہوا" کہتے تھے، جو ضلالت و گمراہی کا مرادف ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے زمانے میں اس قسم کے مسائل میں مسئلہ قضا و قدر کا زیادہ چرچا پھیلا ہوا تھا، جس کو معبد جہنی کے بعد غیلان دمشقی نے بہت کچھ وسعت و ترقی دی تھی، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے سب سے پہلے اس سے توبہ کرائی، اور اُس نے بظاہر توبہ بھی کر لی[4]، اس کے بعد ہر ممکن تدبیر سے اس کے اثر کو مٹانا چاہا، اس زمانے میں ہر قسم کے خیالات کی اشاعت و مقبولیت کا اصلی ذریعہ محدثین و فقہاء تھے، اس لئے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اس گروہ کو ان خیالات کے قبول کرنے سے روک دیا کہ ان کے ذریعہ سے یہ مرض تمام قوم میں پھیلنے نہ پائے، چنانچہ ایک بار امام مکحول سے کہا،

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۲۱۲ تذکرہ عون بن عبد اللہ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز صفحہ ۲۷۶،
[3] جامع بیان العلم صفحہ ۱۵۳ [4] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۳،

ایاک ان تقول فی القدر ما	تم مسئلہ تقدیر میں ہرگز وہ نہ کہو جو غیلان
یقول ھولاء یعنی غیلان واصحابہ[1]	اور اس کے پیرو کہتے ہیں،

نماز: عقائد کے بعد اعمال کا درجہ ہے جن میں سب سے مقدم نماز ہے، خلفائے بنو امیہ بالخصوص حجاج نے نماز کے ساتھ جو غفلت برتی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پابندی اوقات نماز جو صحابۂ کرام کے زمانے میں نہایت ضروری چیز خیال کی جاتی تھی بالکل جاتی رہی، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رضنے تمام عمال کے نام ایک فرمان بھیجا جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں،

اجتنبوا الاشغال عند حضور	نماز کے وقت تمام کام چھوڑ دو
الصلوٰۃ فمن اضاعھا فھو لما	کیونکہ جس شخص نے نماز کو ضائع کیا،
سواھا من شرائع الاسلام	وہ اور فرائض اسلام کا سب سے زیادہ
اشد تضییعا[2]،	ضائع کرنے والا ہوگا،

اس کے علاوہ ذاتی طور پر لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلائی، ایک بار انھوں نے ایک شخص کو مصر روانہ کرنا چاہا، اس نے جانے میں دیر کی تو آدمی بھیج کر بلوایا، وہ آیا تو فرمایا کہ گھبراؤ نہیں آج جمعہ کا دن ہے، جمعہ پڑھے بغیر یہاں سے نہ ٹلنا، ہم نے تم کو ایک جلدی کے کام کے لئے بھیجا تھا، لیکن یہ عجلت تم کو اس پر نہ آمادہ کرے کہ نماز کو وقت ٹال کے پڑھو، خدا نے اس قوم کی نسبت جس نے نماز کو برباد کر دیا اور شہوت پرستی کی فرمایا ہے کہ وہ عنقریب ضلالت سے ملاقی ہونگے، لیکن انھوں نے نماز کو بالکل ترک نہیں کر دیا تھا، بلکہ اس کے وقت کی پابندی چھوڑ دی تھی،[3]

ان ہدایات کے علاوہ ملک میں ہر جگہ عملی طور پر نماز کا اہتمام کیا، اور موذنین کی تنخواہیں مقرر کیں، طبقات ابن سعد میں کثیر بن زید سے روایت ہے،

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۸۵ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز رض ص ۱۰۲ [3] ایضاً ص ۵۳،

قدمت خناصرۃ فی خلافۃ	میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت میں
عمر بن عبد العزیز فرایتہ	خناصرہ میں آیا تو دیکھا کہ وہ موذنین کو
یرزق الموذنین من بیت المال[1]	بیت المال سے وظیفہ دیتے ہیں،

زکوٰۃ وصدقہ اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کی یہ برکت تھی کہ جب لوگوں کو ان کے خلیفہ ہونے کی خبر ہوئی تو نہایت سرعت سے صدقۂ فطر ادا کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ ان کے ایک عامل نے لکھا کہ اب بہت سا صدقۂ فطر جمع ہو گیا ہے، اپنی رائے سے اطلاع دیجئے کہ اس کو کیا کیا جائے[2]، تاہم وہ نہایت شدت کے ساتھ لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے، ایک بار خناصرہ میں عید سے ایک دن پہلے جمعہ کے روز خطبہ دیا جس میں لوگوں کو صدقۂ فطر دینے پر آمادہ کیا، اور کہا کہ جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان کی نماز مقبول نہیں ہے، لوگ آٹا اور ستو لاتے تھے اور وہ قبول کرتے جاتے تھے،[3]

حجاج نے زکوٰۃ کا جو نظام خراب کر دیا تھا اس کے متعلق عمال کو ہدایت کی کہ اس کی روش سے اجتناب کریں، چنانچہ ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ میں نے زکوٰۃ کے معاملہ میں تم کو حجاج کی تقلید سے روکا ہے، کیونکہ وہ اس کو غیر محل سے لیتا تھا، اور غیر محل میں صرف کرتا تھا،[4] ایک بار ان کو عدی کی نسبت معلوم ہوا کہ شراب کا عشر لیتے ہیں تو ان کو لکھا کہ بیت المال میں صرف حلال مال داخل کرو،[5]

لہو ونیاحہ کی ممانعت ان فرائض کے علاوہ شریعت نے جن چیزوں کی ممانعت کی تھی، ان پر شدت کے ساتھ دارو گیر کی، ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمان

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۶۴ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۵۸ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۶۴ [4] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۵۸ [5] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۸۰،

لہو ولعب میں مصروف ہو گئے ہیں اور بہت سی عورتیں جنازے کے ساتھ بال کھولے ہوئے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں، تو تمام عمال کے نام ایک فرمان بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے،

مجھے معلوم ہوا ہے کہ سفہا کی عورتیں مردے کی وفات کے وقت بال کھولے ہوئے اہل جاہلیت کی طرح نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں، حالانکہ جب سے عورتوں کو آنچل ڈالنے کا حکم دیا گیا، انکو دوپٹہ اتارنے کی اجازت نہیں دی گئی پس اس نوحہ و ماتم پر قدغن بلیغ کرو، یہ اہل عجم چند چیزوں سے جن کو شیطان نے ان کی نگاہ میں محبوب کر دیا تھا، دل بہلاتے تھے پس مسلمانوں کو اس لہو ولعب اور راگ باجے وغیرہ سے روکو اور جو نہ باز آئے اسکو اعتدال کے ساتھ سزا دو۔[۱]

انسداد شراب نوشی حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے شراب نوشی کے انسداد کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں،

(۱) تمام عمال کے نام فرمان بھیجا کہ کوئی ذمی مسلمانوں کے شہروں میں شراب نہ لانے پائے،[۲]

(۲) شراب کی جو دوکانیں قائم تھیں ان کو بالکل توڑوا دیا،[۳]

(۳) جو لوگ نبیذ کے حیلے سے شراب پیتے تھے ان کی نسبت عدی بن ارطاۃ کو لکھا،

لوگوں نے اس شراب کو پیکر بدمستی کی حالت میں نہایت بُرے بُرے کام کئے اور اکثر اُن میں کہتے ہیں کہ اس شراب کے پینے سے کوئی مضائقہ نہیں لیکن جو چیز اس قسم کے کام کراتی ہے اسکے استعمال میں سخت حرج ہے، خدا نے اور بھی بہت سی پینے کی چیزیں پیدا کی کہ شراب سے بے نیاز کر دیا ہے، مثلاً آب شیریں، شیر خالص، شہد مصفا وغیرہ، پس جو شخص نبیذ بنائے وہ صرف چمڑے کے مشکیزے میں بنائے جس میں زفت کا رنگ نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے ظروف کی نبیذ سے منع فرمایا ہے، اس روک ٹوک کے بعد اگر کسی نے اس قسم کی شراب پی تو ہم اسکو سخت سزا دیں گے،[۴] اور جس شخص نے مخفی طور پر پیا تو خدا سخت عذاب دینے والا ہے[۵]

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؓ صفحہ ۲۹۰ [۲] ایضاً صفحہ ۲۶۹ [۳] کتاب الولاۃ مصر صفحہ ۶۹ [۴] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۱۰۳

اس کے بعد اب جس قدر شیشے اور پیمانے رہ گئے تھے وہ ان کے ہاتھ سے چور چور ہو گئے، چنانچہ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان کو خناصرہ میں دیکھا کہ شراب کے مشکیزوں کے پھاڑنے اور شیشوں کے توڑنے کا حکم دے رہے ہیں[۱]،

مذہب اور اخلاق کے متعلق اور بھی بہت سے احکام تھے جن کی خلاف ورزی مضر نتائج پیدا کر سکتی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان تمام جزئیات کی طرف توجہ کی اور اُن سے مسلمانوں کو روکا، مثلاً اہل عجم کی آمیزش و اختلاط سے تمام ممالک اسلامیہ میں حماموں کا رواج ہو گیا تھا، اور اس میں مرد عورت بیباکانہ جاجاکر غسل کرتے تھے، لیکن اس میں شرم و حیا اور ستر عورت کا کافی انتظام نہیں کیا جاتا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عورتوں کو کلیۃً حمام میں جانے سے روک دیا اور مردوں کی نسبت عام حکم دیا کہ بغیر تہ بند کے حمام میں غسل نہ کریں، چنانچہ اس حکم پر اس شدت کے ساتھ عمل ہوا کہ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حمام کے مالک اور حمام میں جانے والے دونوں کو دیکھا کہ ان کو سزا دی جا رہی ہے[۲]،

حماموں کی دیواروں پر تصویریں بنائی جاتی تھیں، جو اصول شریعت کے خلاف تھیں، ایکبار انھوں نے ایک حمام میں اس قسم کی تصویر دیکھی تو مٹا دیا اور کہا کہ اگر مصور کا نام معلوم ہوتا تو میں اُس کو سزا دیتا[۳]،

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، تاہم وہ اہل عجم کی طرح بالکل رفاہیت اور عیش پرستی کو بھی جائز نہیں قرار دیتا، اس لئے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال سنوارنے کا حکم دیا ہے، تاہم اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ پٹیاں جمائی جائیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں اس قسم کے بہت سے شوقین پیدا ہو گئے تھے، اس لئے انھوں نے پولیس مینوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے دن مسجد کے دروازوں

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ ص۲۶۹ [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ ص۲۶۳

[۳] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۸،

پر کھڑے ہو جائیں، اور جو شخص پٹیاں جمائے ہوئے گندے اس کے بال کاٹ لیں[1]،

حضرت عمر بن عبد العزیز کو اس باب میں خاص اہتمام تھا کہ عرب کی قومی خصوصیات مٹنے نہ پائیں، چنانچہ ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ جب سامنے طشت رکھ کر وضو کرتے ہیں تو قبل اس کے کہ طشت پانی سے بھر جائے، پانی پھینک دیا جاتا ہے، تو عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، اب سے جب تک طشت بھر نہ جائے یا سب لوگ فارغ نہ ہو جائیں پانی نہ پھینکا جائے[2]،

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیز ص ۲۸۳ [2] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۵۸،

—— ۰۰۰ ——

تدوین حدیث

قرآن مجید کے بعد اسلام کے احکام، اسلام کی تعلیم، اور اسلام کے اخلاق کا مجموعہ صرف وہ کلمات طیبہ ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے، لیکن حضرت عمر ابن عبد العزیزؓ کے زمانے سے پہلے، وہ صرف صحابہ اور تابعین کے سینوں میں محفوظ تھے، بخاری، مسلم، موطا اور حدیث کی دوسری کتابیں جو احادیث صحیحہ کا بہترین مجموعہ ہیں، اس وقت تک وجود میں نہیں آئی تھیں، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اس طرف توجہ نہ کی ہوتی تو علم حدیث کا یہ ذخیرہ وجود میں نہ آتا، لیکن انھوں نے دیکھا کہ نقضاے زمانہ کے ساتھ علماء کا گروہ روز بروز گھٹتا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ علوم شرعیہ کے مٹ جانے کا بھی اندیشہ ہے، اس لیے انھوں نے قاضی ابوبکر بن حزم کو جو ان کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے لکھا کہ

انظر ما کان من حدیث	احادیث نبویہ کی تلاش کر کے ان کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	و، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے
فاکتبہ فانی خفت دروس العلم	فنا ہونے کا خوف معلوم ہوتا ہے، اور
وذھاب العلماء ولا یقبل الا	صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث
حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]	قبول کی جائے،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابونعیم کی تاریخ اصبہان سے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے

---

[1] بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم، باب،

معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف مدینہ اور مدینہ کے گورنر کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ انھوں نے تمام صوبوں کے گورنروں کے پاس اسی قسم کا فرمان بھیجا تھا[۵۱] بہرحال اس حکم کی تعمیل کی گئی، اور جمع شدہ احادیث کے متعلق مجموعے تیار کرا کے تمام ممالک محروسہ میں تقسیم کئے گئے، جامع بیان العلم میں سعد بن ابراہیم سے روایت ہے،

امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفترا[۵۲]	ہم کو عمر بن عبد العزیزؓ نے جمع حدیث کا حکم دیا اور ہم نے دفتر کی دفتر حدیثیں لکھیں، اور انھوں نے ایک ایک مجموعہ ہر جگہ جہاں جہاں ان کی حکومت تھی بھیجا،

۵۱ فتح الباری جلد اول ص۱۷۴ ۵۲ جامع بیان العلم ص۳۳،

تعلیم مذہبی کی اشاعت

(۱) احادیث کی تدوین و ترتیب کے بعد دوسرا کام یہ تھا کہ عام طور پر ان کی ترویج و اشاعت کی جائے، اس لئے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اسی فرمان میں قاضی ابوبکر بن حزم کو اس طرف بھی توجہ دلائی اور لکھا،

ولیفشوا العلم و یجلسوا	لوگوں کو چاہئے کہ عام طور پر علم کی اشاعت
حتی یعلم من لا یعلم فان	کریں اور تعلیم کے لئے حلقۂ درس میں بیٹھیں تا کہ
العلم لا یھلک حتی یکون	جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں کیونکہ علم
سرا،	اس وقت تک نہیں برباد ہوتا جب تک کہ وہ مخفی نہ رکھا جائے۔

ایک اور عامل کے نام لکھا،

اما بعد فأمر اھل العلم ان	اہل علم کو حکم دو کہ اپنی مسجدوں میں
ینشروا العلم فی مساجدھم	علم کی اشاعت کریں کیونکہ حدیثیں
فان السنۃ کانت قد امیتت[1]	مر چکی ہیں،

(۲) اور جو لوگ اس مقدس کام میں مصروف ہوئے ان کو فکر معاش و ضروریات زندگی سے بالکل بے نیاز کر دیا، چنانچہ حمص میں جو علما رہتے ان کی نسبت وہاں کے گورنر کو لکھا،

انظر الی القوم الذین نصبوا	جن لوگوں نے دنیا چھوڑ کر اپنے آپ کو

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۹۲،

انفسهم للفقه وحبسوها فى المسجد	فقہ کی تعلیم کے لئے وقت کر رکھا ہے،
عن طلب الدنیا فاعط کل رجل	ان میں ہر ایک کو جس وقت میرا خط
منهم مایة دینار یستعینون	پہونچے بیت المال سے سو دینار
بها علی ماهم علیه من بیت	دو تاکہ وہ لوگ اس حالت کو قائم
مال المسلمین حین یاتیك کتابی هذا[1]	رکھ سکیں،

یہ فیاضی صرف علمار کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ اسی فیاضی کے ساتھ طلبہ کے وظائف بھی مقرر کئے تھے[2]، ان کو علمار کی فراغ خاطر اور جمعیت قلب کا اس قدر خیال تھا کہ ہر ممکن تدبیر سے ان کی ضروریات کو پورا کرتے تھے، قاسم بن مخیمرہ ایک محدث تھے، جو نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، وہ آئے تو ان کی جانب سے ستر دینار قرض ادا کیا، سواری دی اور ۵۰ دینار وظیفہ مقرر کر دیا[3]،

ایک بار مجاہد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو ۳۰ درہم دیئے اور کہا کہ یہ رقم میں نے اپنے عطیہ سے دی ہے[4]،

(۳) بہت سے ممالک کے لوگوں کی تعلیم کے لئے خود متعدد علمار کو روانہ کیا، حضرت نافعؒ جو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے غلام اور مدینہ کے فقیہ تھے، ان کو مصر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو علم حدیث کی تعلیم دیں، چنانچہ اس تعلق سے نافع نے وہاں مدتوں قیام کیا[5]،

جعثل بن عاہان جو قرار میں تھے ان کو مصر سے مغرب کو بھیجا کہ وہاں جاکر لوگوں کو قرأت

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص۹۹ [2] جامع بیان العلم ص۹۴، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص۱۰۱ تذکرہ قاسم بن مخیمرہ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیز ص۲۹۵ [5] حسن المحاضرہ جلد اول ص۱۱۱ وزرقانی شرح موطا جلد اول ص۲۱،

کی تعلیم دیں[1]،

بدوؤں کی تعلیم و تربیت کے لئے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یمجد الاشعری کو متعین کیا، اور ان کے وظیفے مقرر کئے، یزید نے تو وظیفہ قبول کر لیا، لیکن حارث نے وظیفہ سے انکار کیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو خبر ہوئی تو لکھا کہ یزید نے جو کچھ کیا اس میں ہرج نہیں اور خدا ہم میں حارث جیسے بہت سے اشخاص پیدا کرے[2]،

(۴) تعلیم کے علاوہ لوگوں کے ارشاد و ہدایت کے لئے تمام ممالک محروسہ میں واعظ اور مفتی مقرر کئے، چنانچہ حلاج ابو کثیر اموی کو جو اُن کے باپ کے مولیٰ تھے، اسکندریہ کا واعظ مقرر کیا[3]، حجاز میں جو واعظ اس خدمت پر مامور تھا اس کو حکم تھا کہ تیسرے دن لوگوں کو وعظ و پند کرے[4]،

افتار کی خدمت پر متعدد لوگ مامور تھے، اور جو لوگ مامور تھے وہ انتخاب روزگار تھے، مثلاً مصر میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے یہ خدمت یزید بن ابی حبیب کے متعلق کی تھی، اور یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اہل مصر کو فقہ و حدیث سے آشنا کیا، چنانچہ علامہ سیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں،

ھو اول من اظھر العلم بمصر	وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مصر میں علم
والمسائل فی الحلال والحرام	کو ظاہر کیا، اور حلال و حرام کے مسائل
وقبل ذلک کانوا یتحدثون فی	کو رواج دیا، وہاں کے لوگ اس سے پہلے
الترغیب والملاحم والفتن و ھو	صرف ترغیب اور جنگ وغیرہ کے

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۹ [2] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۱۲۸ [3] حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۸
[4] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۴۳،

احد ثلاثۃ جعل الیھم عمر متعلق روایت کرتے تھے وہ ان تین اشخاص

ابن عبد العزیز الفتیا[1] میں ہیں جن کے متعلق حضرت عمر بن عبد العزیز نے

فن مغازی اور مناقب صحابہ کی تعلیم و اشاعت

مغازی اور مناقب صحابہ کی طرف اب تک علمی حیثیت سے کسی نے اعتنا نہیں کیا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز رض نے خاص طور پر ان کی طرف توجہ کی اور عاصم ابن عمر بن قتادہ کو جو مغازی اور سیرت میں کمال رکھتے تھے حکم دیا کہ مسجد دمشق میں بیٹھ کر مغازی اور مناقب کا درس دیں[2]،

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ا ص ۱۲۰ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ،

یونانی تصنیفات کی اشاعت

حضرت عمر بن عبد العزیز کا اصلی فرض اگرچہ کتاب وسنت کی اشاعت کرنا تھا اور اُنھوں نے ہر ممکن تدبیر سے اس کی اشاعت کی، تاہم غیر قوموں کے مفید علوم وفنون سے بھی اُنھوں نے مسلمانوں کو بالکل بیگانہ نہیں رکھا،

طب میں ایک یونانی حکیم اہرن القس کی ایک مشہور کتاب تھی جس کا ترجمہ ماسرجویہ نے مروان بن حکم کے زمانہ میں عربی زبان میں کیا تھا، یہ کتاب شاہی کتب خانے میں محفوظ تھی، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسکو دیکھا تو چالیس روز تک استخارہ کیا، اس کے بعد عام طور پر اس کو ملک میں شائع کیا[1]،

---

[1] اخبار الحکما ص ۲۱۳، تذکرۂ ماسرجویہ،

رفاہِ عام کے کام

اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تمام ممالک محروسہ میں نہایت کثرت سے سرائیں بنوائیں، چنانچہ خراسان کے عامل کو لکھا کہ وہاں کے راستوں میں بہت سی سرائیں تعمیر کرائی جائیں[1]، اور سمرقند کے عامل سلیمان بن ابی السریٰ کے پاس فرمان بھیجا کہ وہاں کے شہروں میں سرائیں تعمیر کراؤ، جو مسلمان ادھر سے گذریں یک شبانہ روز اُن کی مہمان نوازی کرو، اُن کی سواریوں کی حفاظت کرو، جو مسافر مریض ہو اس کو دو رات اور دو دن مقیم رکھو، اگر کسی کے پاس گھر تک پہونچنے کا سامان نہ ہو تو اس قدر سامان کردو کہ اپنے وطن میں پہنچ جائے[2]،

ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس میں تمام فقراء مساکین اور مسافروں کو کھانا ملتا تھا[3]، ممالک محروسہ میں جو چراگاہیں تھیں اُن میں نقیع کے سوا تمام چراگاہوں کو عام کردیا[4] اور انکے متعلق ایک عامل کو لکھا،

فما حمی من الارض فانہ یمنع	جو زمینیں چراگاہ بنا لی گئی ہیں، تو جہاں جہاں
اھل مواقع القطر فاباح	برسات کا پانی گرے اُن سے کسی کو نہ روکا جائے
الاحماء ثم الجبصاء[5]	اُن چراگاہوں کو عام کردو اور ضرور عام کرو

جزائر کو بھی بالکل وقف عام کردیا تھا[6]،

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۲۵۲ [2] طبری صفحہ ۱۳۶۴ [3] طبقات صفحہ ۲۷۹،
[4] ایضاً صفحہ ۲۵۲ [5] ایضاً صفحہ ۲۸۱ [6] ایضاً صفحہ ۲۷۷،

عمارات

حضرت عمر بن عبد العزیز کے کارناموں زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ پست نظر آتی ہے وہ عمارتوں کے کنگرے ہیں، انکے عہد خلافت میں ایک عمارت بھی شاندار طور پر تعمیر نہیں ہوئی، انھوں نے نہایت معمولی طور پر صرف ضروری عمارتیں تعمیر کرائیں اور ان میں بھی زیادہ تر مذہبی عمارتیں، چنانچہ ان تمام عمارتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے،

مساجد مدینہ میں قبیلہ بنو عدی بن النجار کی مسجد گر گئی تو قاضی ابوبکر بن حزم نے اسکی تعمیر کی طرف ان کو توجہ دلائی، انھوں نے جواب میں لکھا کہ میری خواہش تو یہ تھی کہ میں دنیا سے جاؤں اور ایک پتھر پر دوسرا پتھر اور ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہ رکھوں، لیکن اس مسجد کو متوسط پیمانہ پر کچی اینٹ سے تعمیر کرادو[1]

علامہ ابن جبیر نے شہر راس العین کے حالات میں لکھا ہے کہ یہاں دو جامع مسجدیں ہیں، ایک جدید اور ایک قدیم، قدیم حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی تعمیر کردہ ہے، لیکن بہت پرانی ہوگئی ہے[2]، اور دمشق کی مسجد کے ذکر میں ایک جگہ ضمناً لکھا ہے کہ اس کے شمالی دروازہ کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی طرف منسوب ہے[3]، تاریخ حلب میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کفر بیا میں گئے اور وہاں کے لوگوں کے لئے ایک جامع مسجد اور ایک تالاب بنوایا[4]،

تجدید انصاب حرم خلفار کے دور میں اکثر حدود حرم کی تجدید ہوتی رہتی تھی، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے بھی اپنے دور خلافت میں مدینہ کے گورنر قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ وہ حدود حرم کی تجدید کرائیں[5]،

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۲۳ [2] رحلہ ابن جبیر ص ۲۲۴ [3] ایضاً ص ۲۶۷ [4] تاریخ مملکۃ حلب ص ۱۰۴ [5] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز ص ۲۷۴

قصر شاہی | تاریخ حلب میں ہے۔ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے خناصرہ میں ایک محل تعمیر کروایا تھا جس میں آکر اکثر قیام کرتے تھے[1] لیکن غالباً ان کے عہد خلافت میں اس کے سوا کوئی سرکاری عمارت تعمیر نہیں ہوئی ایک بار عدی بن ارطاۃ نے بصرہ کے دار الامارۃ کے اوپر بالاخانہ بنوانا چاہا تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے ان کو روک دیا اور لکھا کہ تیرے لئے وہ مکان بھی تنگ ہے جو زیاد اور آل زیاد کے لئے وسیع تھا چنانچہ انھوں نے اس کی تعمیر سے ہاتھ کھینچ لیا[2]،

شہروں کی آبادی | سلیمان بن عبد الملک جب ولید کی طرف سے فلسطین کا گورنر مقرر ہوا تھا، اسی وقت سے اس نے شہر رملہ کی بنیاد ڈالی تھی جس میں سب سے پہلے اس نے اپنا محل اور دار الصباغین تعمیر کروایا تھا جس کے وسط میں ایک تالاب بھی تھا، اس کے بعد ایک مسجد کی داغ بیل ڈالی تھی لیکن ابھی اس شہر کی تعمیر کا کام جاری تھا کہ اسی زمانہ میں وہ خلیفہ ہوگیا، اور اس کے بعد خلافت میں بھی تعمیر کا کام برابر جاری رہا، اس کے انتقال کے بعد جو کمی رہ گئی تھی، اس کو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے پورا کیا، لیکن شہر کی داغ بیل جس وسیع پیمانے پر ڈالی گئی تھی، اس میں کمی کر دی اور کہا کہ اہل رملہ کے لئے اس قدر کافی ہوگا[3]، ۱۰۰ھ میں رومیوں نے لاذقیہ کو جو ایک ساحلی شہر تھا برباد کر دیا، تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے از سر نو اس کی تعمیر اور قلعہ بندی کرائی[4]،

---

[1] تاریخ مملکت حلب ص۹۵ [2] فتوح البلدان ص۳۵۷ [3] ایضاً ص۱۵۱ [4] ایضاً ص۱۳۹،

سیاست وحکومت

فرائض خلافت

انسان میں مختلف قابلیتیں بہت کم جمع ہوتی ہیں، جو لوگ دماغی اور عقلی حیثیت سے ممتاز ہوتے ہیں، ان میں اخلاقی اوصاف بہت کم پائے جاتے ہیں، جو لوگ مذہبی اعمال میں اپنی زندگی صرف کرتے ہیں، وہ دنیا کے اور کام اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے، اور جو لوگ ملکی وسیاسی کاموں کو نہایت سرگرمی کے ساتھ انجام دیتے ہیں، ان کے ہاتھ سے مذہب اور اخلاق کا سررشتہ بالکل چھوٹ جاتا ہے، لیکن قدرت کا کوئی کلیہ استثنار سے خالی نہیں ہے اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز اس استثنار کی ایک نہایت عمدہ مثال ہیں،

وہ جس پابندی، اور مستعدی کے ساتھ مذہبی اعمال انجام دیتے تھے، اسی شوق وشغف کے ساتھ خلافت کے فرائض بھی ادا کرتے تھے ان کی مشغولیت کو دیکھ کر بعض اشخاص ترس کھاتے تھے اور ان کو آرام لینے کی ترغیب دیتے تھے لیکن ان پر ان کی نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، عام معمول یہ تھا کہ دن بھر رعایا کے معاملات اور مقدمات کے فیصلہ میں مشغول رہتے عشار کے بعد چراغ جلا کے بیٹھتے اور پھر یہی کام شروع ہوجاتا، اس کے بعد ارباب رائے سے امور خلافت کے متعلق مشورہ لیتے، رات کے بقیہ اوقات جو بچتے، وہ عبادت گذاری اور استراحت میں صرف کرتے، ایک دن رجار بن حیوۃ نے جو ان کے مشیر خاص تھے کہا کہ اے امیرالمومنین، آپکے اوقات تو بالکل رعایا کے معاملات میں صرف ہوتے ہیں رات کو

تھوڑا سا فرصت کا جو وقت ملتا ہے، اسکو ہماری صحبت میں صرف کر دیتے ہیں، بولے لوگوں کی ملاقات سے عقل بار آور ہوتی ہے، اور مشورہ و مناظرہ رحمت کا دروازہ اور برکت کی کنجی ہے، جن کی وجہ سے کوئی رائے گمراہ نہیں ہوتی[1]،

اس مستعدی کی بنا پر روز کا کام اسی روز انجام دیتے، ایک دن ان کے بھائی زبان بن عبد العزیز نے ان کو مشورہ دیا کہ کبھی کبھی سیر و تفریح کے لئے باہر نکل جایا کیجئے، بولے تو پھر اس دن کا کام کیونکر انجام پائیگا؟ انھوں نے کہا کہ دوسرے دن ہو رہے گا، بولے روز کا کام روز انجام پا جائے تو یہی بہت ہے، دو دن کا کام ایک دن میں کیونکر پورا ہوگا[2]؟

بعض اشخاص نے ان کی فرصت کے اوقات سے متمتع ہونے کی خواہش ظاہر کی تو بولے فرصت کہاں؟ فرصت گئی، اب صرف خدا کے یہاں فرصت نصیب ہوگی[3]۔

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ و طبقات ابن سعد صفحہ ۲۵۶ [2] سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۱۹۱ [3] طبقات ابن سعد صفحہ ۲۹۷،
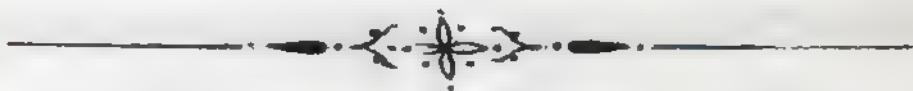
خصوصیاتِ حکومت

خلیفہ ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے یزید بن مہلب کے نام جو فرمان روانہ کیا اس کو پڑھ کر اس نے صاف کہدیا کہ "یہ اون کے اسلاف کا کلام نہیں معلوم ہوتا، اور وہ انکی شاہراہ پر چلنا نہیں چاہتے"[1] یہ ان کے نظام حکومت کی خصوصیات پر ایک اجمالی ریویو ہے اس لئے ہم کو تفصیل کے ساتھ بتانا چاہئے کہ ان کا طرز جہانبانی کیا تھا؟ اور وہ کن اسباب کی بنا پر تمام خلفاے بنو امیہ سے مختلف تھا؟

اگرچہ یہ اختلاف ان کے نظام حکومت کے تمام جزئیات سے نمایاں ہوسکتا ہی لیکن جن خصوصیات کی بنا پر ان کا دور حکومت تمام خلفاے بنوامیہ کے دور حکومت سے ممتاز تھا وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) خلافت اسلامیہ کی بنیاد صرف کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر قائم ہے لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے دور سے پہلے یہ بنیاد بالکل متزلزل ہوچکی تھی، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے دوبارہ اس کو قائم کیا، اور عمر بھر قائم رکھا، چنانچہ ایک بار زمانہ حج میں خطبہ دیا، تو عام اعلان کیا کہ جو عامل کتاب و سنت پر عمل نہ کرے، اسکی اطاعت فرض نہیں ہے[2]، ایک موقع پر جب عباس بن ولید نے ان کے سامنے ولید کے ہاتھ کی ایک سند پیش کی تو فرمایا "خدا کی کتاب ولید کی کتاب سے زیادہ قابل اتباع ہے"، ابوبکر بن حزم کا قول ہے کہ حضرت

---

[1] طبری ص ۱۳۴۲، [2] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص۲۰،

عمر ابن عبدالعزیزؒ کا جو خط آتا تھا، اس میں سنت کے زندہ کرنے اور بدعت کے مردہ کرنے کا حکم لازمی طور پر ہوتا تھا۔[1] فرماتے تھے کہ اگر خدا میرے گوشت کے ٹکڑوں کے ذریعہ سے ہر بدعت کو مردہ اور ہر سنت کو زندہ کرے یہاں تک کہ اخیر میں میری جان پر بن جائے تو یہ خدا کے معاملہ میں نہایت آسان کام ہوگا[2] انھوں نے اس خصوصیت کو دینی زندگی کی روح و روان قرار دیا تھا، اور فرماتے تھے کہ اگر میں سنت کو زندہ نہ کرسکوں، یا شاہراہ حق پر نہ چل سکوں تو ایک منٹ بھی زندہ رہنا پسند نہ کرونگا،[3]

خلفائے راشدینؓ کے دور خلافت میں سب سے زیادہ روشن زمانہ حضرت عمر بن الخطابؓ کا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سیاسی منزل میں قدم رکھا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہی کے نقشِ قدم کو چراغِ راہ بنایا، چنانچہ اس کے متعلق سالم بن عبداللہ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں،

وقد رایت ان اسیر فی الناس	میں چاہتا ہوں کہ رعایا کے معاملے میں
بسیرۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	حضرت عمر بن الخطابؓ کی روش اختیار کروں
ان قضی اللہ ذلک و استطعت	بشرطیکہ یہ خدا کو منظور ہو اور میں اس پر
الیہ سبیلا فابعث الی بکتب	قادر ہوں، آپ میرے پاس حضرت عمرؓ
عمر وقضائہ فی اھل القبلۃ و	کی تحریریں اور ان کے فیصلے جو انھوں نے
اھل العھد فانی متبع اثرہ و	مسلمانوں اور ذمیوں کے متعلق کئے ہیں
سائر بسیرتہ ان شاء اللہ تعالیٰ	بھیج دیجئے اگر خدا کو منظور ہوگا تو میں[4]

سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۱۵

اگرچہ اس روش کے اختیار کرنے کے لئے ان کا زمانہ اس قدر ناموزوں تھا کہ خود سالم

۱؎ طبقات ابن سعد صفحہ ۲۵۲ ۲؎ ایضاً صفحہ ۲۵۳ ۳؎ ایضاً صفحہ ۲۴۲ ۴؎ سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۲۶،

ابن عبد اللہ نے اُن کو جواب میں لکھا کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا دوسرے زمانے میں اور دوسرے اشخاص کے ذریعہ سے کیا، اگر تم نے باوجود ان ظالمانہ آزمایشوں کے اسی کے مطابق عمل کیا تو تم خدا کے نزدیک عمرؓ سے افضل ہوگے، تاہم حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان مشکلات کی کچھ پروانہ کی، اور اپنا نظام حکومت اسی بنیاد پر قائم کیا، جس پر عہد خلافت راشدہ میں قائم ہوچکا تھا، اسی بنا پر بعض محدثین نے ان کو اسی سلسلے کی ایک کڑی خیال کیا ہے، چنانچہ امام سفیان ثوری کا قول ہے کہ خلفاء پانچ ہیں، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ،

(۲) اُن کی خلافت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے جمہوریت کی روح کو جو بالکل مردہ ہوگئی تھی، از سر نو زندہ کیا، ان کے اخلاق و عادات میں اگرچہ خلافت کے بعد انقلاب پیدا ہوا، تاہم اُن کی طبیعت ابتدا ہی سے جمہوریت پسند واقع ہوئی تھی، چنانچہ جب وہ ولید کی طرف سے مدینہ کے گورنر مقرر ہوکر آئے تو مدینہ کے فقہاء میں عروہ بن زبیر، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث، ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ، سلیمان بن یسار، قاسم ابن محمد، سالم بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ اور خارجہ بن زید بن ثابت کو طلب کیا، اور کہا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک ایسے کام کے لئے طلب کیا ہے جس پر آپ کو ثواب ملے گا، اور آپ لوگ حق کے معاون قرار پائیں گے، میں آپ لوگوں کی رائے کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دینا چاہتا، یہ سنکر ان تمام بزرگوں نے ان کو جزائے خیر کی دعا دی، خلیفہ ہوئے تو چند منتخب لوگوں کو ندیم خاص مقرر کیا جو ان کو تمام ملکی معاملات میں مشورہ دیتے تھے، طبقات ابن سعد میں ہے،

کان لعمر بن عبد العزیز سمار	حضرت عمر بن عبد العزیز کے چند مصاحب تھے
ینظرون فی امور الناس	جو رعایا کے معاملات میں غور کیا کرتے تھے

لہ سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۱۳۲ ۲ے ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی التفضیل ۳ے طبقات ابن سعد ص ۲۴۳ ۴ے ایضاً ص ۲۵۸ وسیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۴۰

(۳) ان کے دور حکومت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے زمانے میں علمار کا رسوخ واقتدار بہت زیادہ ترقی کر گیا، وہ ہمیشہ علمار سے مشورہ لیتے تھے، علمار سے صحبت رکھتے تھے اور علمار کو مقرب بارگاہ بناتے تھے، طبقات میں متعدد علمار کے نام لکھے ہیں جو ان کے خواص میں تھے[۱]، عدی بن ارطاۃ کو جو ہمیشہ شرعی امور میں اُن سے مشورہ لیا کرتے تھے، لکھا کہ گرمی اور سردی میں تم ہمیشہ ایک مسلمان کو تکلیف دیتے ہو کہ مجھ سے سنت کے متعلق استفسار کرے تم اس طریقہ سے میری عظمت کرتے ہو، خدا کی قسم حسن بصری تمہارے لئے کافی ہیں، جب یہ خط پہنچے تو میرے لئے اپنے لئے، اور عام مسلمانوں کے لئے اُنہی سے استفسار کیا کرو، خداوند تعالیٰ حسن بصری پر رحم کرے کہ وہ اسلام میں ایک بڑے درجہ کے شخص ہیں، اور اُن کو میرا یہ خط پڑھ کر نہ سناؤ[۲]"

---

[۱] طبقات ابن سعد صفحہ ۲۹۲ [۲] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱،

عمّال

زمانۂ قدیم کا نظام سلطنت، اس زمانہ کے نظام حکومت سے بالکل مختلف تھا آج سلاطین کی شخصیتیں بدل جاتی ہیں، نظام حکومت الٹ پلٹ جاتا ہے شخصیت کی جگہ جمہوریت لے لیتی ہے لیکن سلطنت کے اعضاء و جوارح یعنی عمال پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن قدیم زمانے میں سلاطین کی شخصیت کا تغیر و تبدل گویا نظام سلطنت کا انقلاب کلی تھا، اور یہ انقلاب حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ کے دور خلافت میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، انھوں نے تخت حکومت پر متمکن ہونے کے ساتھ ہی اُن تمام مفاسد کی اصلاح کرنی چاہی جن کا مادہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ ہی سے روز بروز پختہ ہوتا جاتا تھا، لیکن اس کے لئے سب سے بڑی ضرورت اُن پرزوں کی تھی جو نہایت نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ سلطنت کی کل کو چلائیں، اور ان کے زمانے میں اس قسم کے اجزاء صالحہ تقریبًا مفقود ہو چکے تھے، ایاس بن معاویہ کا قول ہے کہ حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ ایک نہایت تیزدست صناع تھے، لیکن ان کے پاس اوزار نہ تھا، جس سے وہ کام لیتے[1]، خود حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ کو نظر آتا تھا کہ ان کے لئے جس قسم کے اعوان و انصار کی ضرورت ہے، وہ سرکاری دفتروں میں نہیں مل سکتے، اسلئے وہ اپنی نگاہ کو دور دور تک دوڑاتے تھے، اور جہاں کہیں کوئی مرغ بلند آشیاں نظر آتا تھا، اسکو اس جال میں پھنسانا چاہتے تھے، جس میں خود گرفتار ہو چکے تھے، سلف صالحین میں سے

---

[1] تاریخ الخلفاء ص۲۳۴۔

ایک بزرگ شام میں عزلت گزیں تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو معلوم ہوا تو ان کو لکھا کہ سچے مددگار کہیں نہیں ملتے، آپ میری اعانت فرمائیے، انھوں نے جواب دیا کہ میں گنہگاروں کی اعانت نہیں کر سکتا[1]
تاہم عمالِ سلطنت کا تقرر ضروری تھا، اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تخت حکومت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی مختلف اشخاص کو ذمہ داری کے مختلف عہدے دیئے جن کے نام کی تفصیل حسب ذیل ہے،

ابوبکر بن محمد بن حزم	سلیمان بن عبدالملک نے ان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا تھا، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی ان کو اس عہدے پر قائم رکھا،
عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب	ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا،
عدی بن ارطاۃ	ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا،
عروہ بن محمد بن عطیہ السعدی	ان کو یمن کا گورنر مقرر کیا،
عدی بن عدی الکندی	ان کو جزیرہ کا گورنر مقرر کیا،
اسمٰعیل بن عبیداللہ بن ابی المہاجر	ان کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا،
محمد بن سوید الفہری	ان کو دمشق کا گورنر مقرر کیا،
جراح بن عبداللہ الحکمی[2]	ان کو خراسان کا گورنر مقرر کیا،

لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے عہدے اور بہت سے اشخاص تھے، جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نظام سلطنت کے لئے ضروری نہ تھے، مثلاً ان میں بہت سے چوبدار اور پہرے دار تھے، جن کا وجود سلاطین کی شان و شوکت اور ذاتی مصالح کے لحاظ سے ضروری خیال کیا جاتا تھا، حضرت

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۲۱ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ صفحہ ۲۵۱،

عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں انکی تعداد چھ سو تھی، جن میں تین سو پولیس سے تعلق رکھتے تھے اور تین سو بہرہ دار تھے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو زہد و تقشف نے اس قسم کی شان وشوکت کے اظہار سے بے نیاز اور توکل علی اللہ نے ہر قسم کے خطرات سے نڈر کر دیا تھا، اس لئے اُنھوں نے ان لوگوں سے صاف صاف کہدیا کہ "میں تم سے بے نیاز ہوں تقدیر میری محافظ اور موت میری نگہبان ہے" تاہم ان کو بالکل موقوف کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا، اس بنار پر حکم دیا کہ جو شخص رہنا چاہے، اسکو دس دینار تنخواہ ملے گی، اور جو شخص قطع تعلق کرنا چاہے، وہ قطع تعلق کر سکتا ہے[1]،

شخصی حیثیت سے انھوں نے صرف خالد بن ریان کو موقوف کیا، جو جلاد تھا، اور خلفار کے سامنے ہمیشہ تلوار لئے ہوئے کھڑا رہتا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اس کی قساوت قلب کا پہلے سے ذاتی تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے خلیفہ مقرر ہونے کے بعد خالد حسب معمول تلوار لے کر سامنے کھڑا ہوا، تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ خالد یہ تلوار رکھدو، خداوندا میں تیرے لئے خالد کو پست کرتا ہوں، اس کو تو کبھی بلند نہ کرنا، خالد کی موقوفی کے بعد اسکی جگہ پر عمرو بن مہاجر الانصاری کو مقرر کیا، جو نہایت مذہبی شخص تھا[2]، عمال کے عزل ونصب کا دارومدار جن اصول پر تھا، اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) کوئی شخص جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا قرابتدار ہو اس کو کبھی عامل مقرر نہیں کرتے تھے، بیٹے سے زیادہ کون عزیز ہو سکتا ہے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان میں سے کسی کو کوئی عہدہ نہیں دیا، ایک بار تمام بیٹوں کو جمع کر کے پوچھا کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ میں تم میں ہر ایک کو ایک ایک صوبہ کا گورنر کر دوں اور تم چلو تو تمھارے ساتھ ڈاک کا گھنگرو بجتا ہوا چلے، ایک لڑکے نے کہا جو کام آپ کو کرنا نہیں ہے، اس کا سوال کیوں کرتے ہیں؟ بولے تم دیکھتے ہو کہ میرا یہ فرش

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص۹۰ [2] ایضاً ص۳،

پرانا ہو چلا ہے لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم اس کو اپنے موزوں سے میلا کرو، پھر تم کو اپنا دین کیونکر حوالہ کر دوں کہ ہر صوبہ میں اس کو گرد آلود کرو[۱]،

ایک بار جراح بن عبداللہ الحکمی نے عبداللہ بن اہتم کو عامل مقرر کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خبر ہوئی تو لکھا کہ اس کو موقوف کر دو، کیونکہ اور باتوں کے علاوہ وہ خود امیرالمومنین کا رشتہ دار ہے[۲]،

(۲) جو لوگ کسی عہدے کے خواستگار ہوتے تھے، اون کو وہ عہدے نہیں دیتے تھے اور جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی تھی، ایک بار دو بھائی یعنی بلال بن ابی بردہ اور عبداللہ بن ابی بردہ اون کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دونوں نے اپنی مسجد میں اذان دینے کے متعلق مقدمہ دائر کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ان کی نسبت بدگمانی پیدا ہوئی اور ایک شخص کو خفیہ طور پر مقرر کیا کہ ان سے جا کر کہے کہ اگر میں امیرالمومنین سے کہہ کر تم دونوں کو عراق کی گورنری دلا دوں تو مجھے کیا دوگے؟ اس نے بلال سے جا کر پوچھا تو اس نے ایک لاکھ دینے کا وعدہ کیا، آدمی نے آکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خبر کی تو عبدالحمید بن عبدالرحمن گورنر عراق کو لکھ بھیجا کہ نہ بلال یعنی بُرے بلال کو کوئی عہدہ دو، نہ آل موسیٰ کو[۳]،

(۳) جو لوگ سفاک اور ظالم ہوتے تھے، ان کو بھی کوئی عہدہ نہیں دیتے تھے، ایکبار جراح بن عبداللہ الحکمی نے عمارہ کو عامل مقرر کیا، تو اُنھوں نے لکھا کہ مجھ کو نہ عمارہ کی ضرورت ہے نہ عمارہ کی ہدایت کی، نہ اُس شخص کی جس نے اپنے ہاتھ کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کیا ہے[۴]

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص۶۲، تاریخ الخلفاء میں ہو کہ یہ سوال اُنھوں نے خاندان بنو امیہ کے چند افراد سے کیا تھا ممکن ہو کہ لڑکے بھی اس میں شامل ہوں۔ [۲] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۶۳ [۳] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ص۲۹۲،

اس لئے اس کو معزول کر دو[1]، خود جراح اور یزید بن مہلب کی معزولی کا سبب بھی یہی ظلم وعدوان تھا، یہی وجہ ہے کہ حجاج کے ملازموں اور اس کے قبیلہ کے لوگوں کو کوئی جگہ نہیں دیتے تھے ابومسلم جو حجاج کا جلاد اور اس کا ہم قبیلہ تھا، ایک فوج میں شریک ہوا، تو انھوں نے اوس کو واپس بلالیا، اسی طرح اور ایک شخص کو کوئی عہدہ دیا لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ حجاج کا عامل رہ چکا ہے تو اس کو موقوف کر دیا، اس نے معذرت کی کہ میں نے حجاج کی ماتحتی میں بہت کم کام کیا ہے، بولے بری صحبت ایک دن کی بھی بہت ہوتی ہے[2]،

(۴) عمال کے تقرر میں صرف یہ لحاظ رکھتے تھے کہ قرآن وحدیث کا عالم ہو، چنانچہ اس وصف کو پیش نظر رکھکر انھوں نے تمام عمال کے نام ایک عام فرمان بھیجا کہ اہل قرآن کے سوا اور کوئی شخص کسی عہدے پر مامور نہ کیا جائے، لیکن تمام عمال کی طرف سے جواب آیا کہ ہم نے اہل قرآن سے کام لیا مگر وہ خائن نکلے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز کو اب بھی اس پر اصرار رہا اور لکھا کہ خبردار مجھے یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ تم نے اہل قرآن کے سوا اور کسی کو عامل بنایا ہے اگر اہل قرآن میں بھلائی نہیں ہے، تو دوسروں میں تو اور نہ ہوگی[3]

(۵) لیکن ان کے علاوہ جس شخص میں مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے کوئی خوبی پاتے تھے اس کو حکومت کی کل میں لگانا چاہتے تھے، ان کے زمانۂ خلافت سے پہلے سلیمان بن عبدالملک کے پاس اہل مصر کا ایک وفد آیا تھا جس میں ایک شخص ابن خذام نامی بھی شریک تھا، سلیمان نے ان لوگوں سے اہل مغرب کے بعض حالات پوچھے، اور ابن خذام کے سوا سب نے وہاں کے حالات بیان کئے، وفد رخصت ہوا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ابن خذام سے خاموشی کی وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ جھوٹ بولتے ہوئے مجھے خدا کا خوف معلوم ہوتا ہے، حضرت عمر بن

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۸۶ [2] ایضاً ص ۹۵ [3] ایضاً ص ۱

عبد العزیزؒ نے اس واقعہ کو یاد رکھا، یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو اس کو مصر کا قاضی مقرر کیا۔[۱]

وہ تمام اخلاقی اوصاف میں سب سے زیادہ دیانت کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ فوج کے عرفا کی جانچ پڑتال کرو، جو شخص امین ہو اس کو رکھو، اور جس کی امانت پر تم کو اعتماد نہ ہو اس کی جگہ دوسرے شخص کو مقرر کرو، لیکن امانت اور پرہیزگاری پر سب سے زیادہ نظر رہے،[۲] قضارت کے لئے اور سخت شرائط لگائے تھے، فرماتے تھے کہ قاضی میں پانچ خوبیاں ہونی چاہئیں، سنت نبویہ کا عالم ہو، حلیم ہو، جلدباز نہ ہو، پاک دامن ہو، اور مشورہ لینے والا ہو،[۳]

(۶) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اگرچہ خود اس قدر متقشف تھے کہ روزانہ دو درہم ان کے لئے کافی ہوتے تھے، لیکن عمال کی تنخواہیں نہایت فیاضی کے ساتھ مقرر کی تھیں، چنانچہ ایک بار کسی نے معترضانہ لہجہ میں اون سے کہا کہ آپ عمال کو سو سو اشرفیاں و دو دو سو اشرفیاں بلکہ اس سے بھی زیادہ تنخواہ کس بنا پر دیتے ہیں، بولے کہ اگر وہ کتاب و سنت پر عمل کریں تو یہ بہت کم ہے، میں چاہتا ہوں کہ ان کو معاش اور اہل و عیال کے جھگڑوں سے فارغ کر دوں،[۴]

(۷) اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شخصیت صالحہ نے جیسا کہ میمون بن مہران نے ان کو یقین دلایا تھا،[۵] ان کے تخت حکومت کے گرد بہترین اشخاص جمع کر دیئے تھے، لیکن

---

[۱] کتاب الولاۃ مصر ص ۳۳۴ [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۹۳ [۳] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۳۳ [۴] ایضاً ص ۱۶۳ [۵] حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو جب قابل اعتماد اعوان و انصار کی جستجو ہوئی تو میمون بن مہران نے کہا کہ آپ اسکی فکر نہ کریں، آپ ایک بازار ہیں اور بازار میں وہی مال آتا ہے جو چلتا ہے، اسلئے جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ آپکے یہاں صرف کھرا مال چلتا ہے تو سب کے سب کھرا مال لے کر آئیں گے (طبقات ص ۲۹۱)

یہ تمام شخصیتیں حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ ہی کا وجود ظلی تھیں، اور انہی کے اشاروں سے یہ تمام پرزے حرکت کرتے تھے، حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ کا قاعدہ تھا کہ بات بات پر عمال کو ہدایتیں کرتے رہتے تھے، احکام بھیجتے رہتے تھے، ان کو کام کرنے کی ترغیب و ترہیب دیتے رہتے تھے اس لئے طبائع پر خواہ مخواہ انکا اخلاقی اثر پڑتا تھا ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم دن کی طرح رات کو بھی کام کرتے تھے، اور یہ صرف حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ کی ترغیب و تحریض کا اثر تھا[۱]، ایک بار ایک عامل نے ان کی خدمت میں کوئی شکایت کی انھوں نے اس کو ایک ایسا موثر خط لکھا کہ وہ اپنے عہدے کو چھوڑ کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ کا خط پڑھ کر دل کانپنے لگا، اب اپنی خدمت پر کبھی نہ جاؤنگا[۲]،،

محدث ابن جوزی نے ان تمام احکام و فرامین کو ایک مستقل باب میں جمع کر دیا ہے جن میں اگرچہ نہایت جزئی جزئی ہدایتیں شامل ہیں، لیکن اہم امور حسب ذیل ہیں،

(۱) احیائے سنت، امحائے بدعت اور تقسیم وظائف کی طرف ان کی اس قدر توجہ تھی کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ کا جو خط آتا تھا اس میں ان تینوں میں سے کسی نہ کسی چیز کی ہدایت ضرور درج ہوتی تھی[۳]،

(۲) عمال کو سخت تاکید تھی کہ حجاج کی روش اختیار نہ کریں، ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ میں تمھیں حجاج کی روش سے روکتا ہوں، کیونکہ حجاج ایک مصیبت تھا، ایک قوم نے اپنے عمل سے اس کی غلط کاریوں کی موافقت کی، اس لئے اپنے زمانے میں اس نے جو چاہا کیا، لیکن اب وہ زمانہ گذر گیا اور خدا کی سلامتی پھر واپس آگئی، اگر وہ صرف

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ صفحہ ۲۵۶ [۲] سیرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ صفحہ ۱۰۰
[۳] ایضاً صفحہ ۸۱،

ایک ہی دن رہے تب بھی یہ خدا کا عطیہ ہوگا، میں نے نماز کے متعلق اس کی تقلید سے روکا ہے کیونکہ وہ وقت میں تاخیر کرتا تھا، میں نے زکوٰۃ کے متعلق اس کی تقلید سے روکا ہے کیونکہ وہ بے محل لیتا تھا، اور بے محل صرف کرتا تھا،

ایک اور عامل نے ذمیوں کے کھلیانوں کی حدبندی کی تو اس کو لکھا کہ ایسا نہ کرو یہ حجاج کا طریقہ تھا اور میں اس کو پسند نہیں کرتا،[1]

(۳) تمام عمال کو عدل و انصاف کا سخت تاکیدی حکم تھا، ایک عامل نے لکھا کہ ہمارا شہر ویران ہوگیا ہے، کچھ مال مرحمت فرمائیے کہ اس کی مرمت کریں، اس کے جواب میں لکھا کہ اس کو عدل سے قلعہ بند کرو، ظلم سے اس کے راستوں کو صاف کرو، یہی اس کی مرمت ہے،[2]

ایک عامل کو لکھا کہ مسلمانوں کے خون سے اپنا ہاتھ خشک، ان کے مال سے اپنا پیٹ خالی، اور ان کی عزت سے اپنی زبان کو محفوظ رکھو، اگر تم نے ایسا کرلیا تو تم پر کوئی اعتراض نہیں، اعتراض ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں،[3]

ایک عامل کو لکھا کہ تم سے پہلے لوگوں نے جس قدر ظلم کیا ہے، اگر تم اتنا انصاف، احسان اور اصلاح کرسکو تو کرو،[4]

(۴) لیکن ان کو صرف ان ہدایات پر قناعت نہ تھی، بلکہ مناسب طریقوں سے وہ عمال کے طرز عمل کی تحقیقات بھی کرتے رہتے تھے کہ جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ پائیں، ریاح بن عبیدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار ان سے کہا کہ عراق میں میری جائداد اور میرے اہل و عیال ہیں، اگر اجازت ہو تو میں ان کو دیکھ آؤں، انھوں نے اصرار کے بعد اجازت دی، جب میں

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۸۳ [2] ایضاً ص۹۰ [3] ایضاً ص۹۲ [4] طبقات ص۲۸۲

رخصت ہونے لگا تو میں نے کہا کہ اگر آپ کی کوئی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیے، بولے میری ضرورت صرف یہ ہے کہ اہل عراق اور ان کے ساتھ حکام وعمال کے طرز عمل کے متعلق حالات دریافت کرو، میں نے لوگوں سے اس کے متعلق سوال کیا، تو سب کو عمال کا مداح پایا، واپس آکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو اسکی اطلاع دی تو انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ "اگر تم نے اسکے خلاف خبر دی ہوتی تو میں ان کو معزول کر دیتا"[1] لیکن باوجود اس دار وگیر کے وہ عمال کو عملاً کسی قسم کی سزا دینا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک بار ان سے اس کے متعلق استمزاج کیا گیا تو بولے کہ یہ مجھے پسند ہے کہ عمال خدا کے پاس اپنی اپنی خیانتیں لے کے جائیں، لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں خدا کے پاس ان کے خون کا بوجھ اپنی گردن پر لے کے جاؤں،[2]

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۷ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۷۰،

ذمیون کے حقوق

ذمیون کے حقوق کی نگہداشت حسب ذیل طریقوں سے ہو سکتی ہے،

(۱) ان کی جان و مال کی حفاظت کی جائے، اور اسی طرح کی جائے جس طرح مسلمانوں کی کی جاسکتی ہے،

(۲) اون کی مذہبی عمارتیں محفوظ رکھی جائیں اور ان کے مذہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کی جائے،

(۳) جزیہ کی وصولی میں کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے، بلکہ ہر قسم کی رعائتیں کیجائیں،

(۴) عام حقوق میں ان پر مسلمانوں کو کسی قسم کا تفوق و امتیاز حاصل نہ ہو، بلکہ وہ مسلمانوں کے مساوی قرار دیئے جائیں،

اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جس طرح ان تمام چیزوں کی نگہداشت کی اس کی نظیر خلافت راشدہ کے سوا اور خلفاء کے دور میں بمشکل مل سکتی ہے، اُنھوں نے ذمیوں کی جائداد کی حفاظت میں خاندانی تعلقات کی بھی پروانہیں کی، چنانچہ جب اُنھوں نے اموال مغصوبہ کو واپس کرنا شروع کیا تو حمص کے ایک بوڑھے ذمی نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے امیرالمومنین عباس بن ولید بن عبدالملک نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے،، عباس بھی وہیں موجود تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا کہ "تم کیا جواب دیتے ہو،؟ اس نے کہا کہ اسکو ولید نے مجھے جاگیر میں دیا ہے، اور میرے پاس اس کی سند بھی ہے،، اب ذمی کی طرف مخاطب

ہوئے اس نے کہا "میں آپ سے کتاب اللہ کے موافق فیصلہ چاہتا ہوں" بولے "خدا کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے، عباس تم اس کی زمین چھوڑ دو"[۱]،

ان کے عہد میں ذمیوں کی تمام چیزیں اس قدر محفوظ تھیں، کہ ان سے ذرہ برابر بھی تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ ایک بار ربیعہ شوزمی نے ایک نبطی کا گھوڑا بیگار میں پکڑ لیا، اور اس پر سواری کی تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے اس کو ۴۰ کوڑے لگوائے[۲]، ایک بار ان کے عامل کو لکڑی کی ضرورت پڑی جو کسی ذمی کے یہاں تھی اس نے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ سے استصواب کیا تو انھوں نے لکھا کہ پوری قیمت دے لو[۳]۔

جان جائداد سے بھی زیادہ عزیز ہے اور حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے ذمیوں کی جان کو ہمیشہ مسلمانوں کی جان کے برابر سمجھا، ایک بار کسی مسلمان نے حیرہ کے کسی ذمی کو قتل کر ڈالا، حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالے کر دو، چاہے وہ قتل کرے، چاہے معاف کر دے، چنانچہ اس نے قاتل کو اس کے حوالے کر دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا[۴]،

حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ سے پہلے ذمیوں کے بعض مذہبی حقوق پامال کر دیئے گئے تھے، اس بنا پر انھوں نے صرف ان حقوق کی حفاظت ہی نہیں کی بلکہ ان کو نئے سرے سے قائم کئے، دمشق میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا، جو خاندان بنو نصر کی جاگیر میں آگیا تھا عیسائیوں نے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کی خدمت میں اس کا دعویٰ کیا، اور انھوں نے اس کو واپس دلا دیا، ایک اور مسلمان نے ایک گرجے کی نسبت دعویٰ کیا کہ وہ اس کی جاگیر میں ہے، لیکن حضرت

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۰۵ [۲] ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز ص ۲۷ [۳] مقریزی جلد ۱ ص ۲۹

[۴] نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ص ۳۶،

عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ اگر یہ عیسائیوں کے معاہدے میں داخل ہے تو تم اسکو نہیں پاسکتے[1]

دمشق میں عیسائیوں کا سب سے بڑا کنیسہ یوحنا تھا، حضرت امیر معاویہؓ اور عبدالملک ابن مروان نے اس کو بیش قرار قیمت پر لے کر مسجد میں شامل کرنا چاہا، لیکن عیسائی راضی نہیں ہوئے، ولید نے بھی یہ کوشش کی، لیکن ناکام رہا، بالآخر اس نے جبراً گرجے کو منہدم کرا کے مسجد میں شامل کر لیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور خلافت آیا تو عیسائیوں نے اسکی واپسی کی درخواست کی اور اُنھوں نے اس کو واپس کر دیا، لیکن تمام مسلمانوں کو اس کا سخت رنج ہوا، اور اُنھوں نے اُس کے عوض میں غوطے کے تمام گرجے اُن کے حوالہ کئے، اور ان کو اس مطالبہ سے باز رکھا،[2]

جزیہ کی تخفیف اور وصولی میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہمیشہ ذمیوں کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کیا، عراق میں جب ابن الاشعث نے حجاج سے بغاوت کی تو اُس نے وہاں کے زمینداروں پر اس کی اعانت کا الزام قائم کیا، اور ان کے خراج و جزیہ کو بہت زیادہ سخت کر دیا وہ پہلے اپنے جزیہ میں مصالحۃً سالانہ کپڑے دیا کرتے تھے، اس کے بعد جب ان کی تعداد میں کمی واقع ہونا شروع ہوئی تو حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ نے کپڑوں کی تعداد میں کمی کر دی لیکن حجاج نے اس جرم میں اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا، یعنی سالانہ ۸ سو رنگین کپڑے ان پر لازم کر دیئے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں ان لوگوں نے اپنے مصائب کا اظہار کیا تو اُنھوں نے گھٹا کر دو سو کپڑے کر دیئے، جن کی قیمت ۸ ہزار درہم تھے،[3]

برابرہ کے ممالک میں ایک گاؤں جسکا نام کواتہ تھا، وہاں کے باشندوں سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصالحت نامہ میں یہ شرط کر لی تھی کہ عورتوں اور بچوں کو فروخت کر کے

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۳۱ [2] ایضاً ص ۱۳۲ [3] ایضاً ص ۲۸۰،

ادنہیں جزیہ ادا کرنا پڑے گا، لیکن حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے عام حکم دیدیا کہ جس کے پاس وہاں کی عورتیں ہوں وہ یا ان کے باپوں سے نکاح کی درخواست کرے یا اُن کو واپس کردے[۱]،

ذمیوں کے ساتھ جزیہ وغیرہ کی وصولی میں وہ جس قدر نرمی سے کام لیتے تھے اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ اے امیرالمومنین یہ کیا بات ہے کہ آپ کے زمانے میں بازار کا نرخ نہایت گراں ہے، اور دوسرے خلفاء کے زمانے میں ارزاں تھا، بولے" وہ لوگ ذمیوں کو ناقابل برداشت تکلیفیں دیتے تھے اس لئے جس نرخ پر ہو سکتا تھا وہ اپنے غلہ کو فروخت کر ڈالتے تھے، اور میں ہر شخص کو اسی قدر تکلیف دیتا ہوں جس کا وہ متحمل ہو سکے، اس لئے ہر شخص جس طرح چاہتا ہے، فروخت کرتا ہے[۲]"

عمال کو حکم بھیجتے رہتے تھے کہ ذمیوں کے ساتھ ہر قسم کی اخلاقی رعایتیں کی جائیں، چنانچہ ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ذمیوں کے ساتھ نرمی کرو، اور اگر ان میں کوئی شخص بوڑھا ہو جائے اور وہ نادار ہو تو اس کے مصارف کے متکفل بنو، اور اگر اس کا کوئی رشتہ دار ہو تو اس کو حکم دو کہ وہ اس کے مصارف برداشت کرے جس طرح تمہارا کوئی غلام بوڑھا ہو جائے تو اس کو آزاد کرنا پڑیگا، یا تادم مرگ اس کو کھلانا پڑیگا[۳]"

عام حقوق میں اُنھوں نے ذمیوں اور مسلمانوں کو ہمیشہ ایک صف میں کھڑا کیا، ایک بار مسلمہ بن عبدالملک اور دیر اسحٰق کے چند ذمی ان کے دربار میں فریق مقدمہ کی حیثیت سے آئے تو مسلمہ آکر فرش پر بیٹھ گئے، اور ذمی بیچارے کھڑے رہے، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے دیکھا تو بولے کہ ایسا نہیں ہو سکتا، اگر تمہیں اپنے فریق کے برابر کھڑا ہونا

---

[۱] فتوح البلدان ص۱۳۳ [۲] کتاب الخراج ص۷۲ [۳] طبقات ابن سعد ص۲۸۵،

گوارا نہیں ہے، تو کسی کو وکیل کر دو، مسلمہ نے ایک شخص کو وکیل کر دیا، اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے مقدمہ کو ان کے خلاف فیصل کیا[1]، اسی طرح جب ہشام بن عبدالملک پر ایک عیسائی نے مقدمہ دائر کیا، تو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس کو اپنے فریق کے برابر کھڑا کیا، ہشام نے عیسائی کے ساتھ سخت کلامی شروع کی تو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی[2]،

---

[1] سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز ص ۳۰، اصل کتاب میں یہ تصریح نہیں کہ یہ لوگ ذمی تھے، لیکن ہم نے دیر اسحٰق کی مناسبت سے ان لوگوں کو ذمی قرار دیا ہے [2] رسائل شبلی بحوالہ العیون والحدائق ص ۳۶،

اقامتِ عدل

کسی واقعہ کی شہرت کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ اس کے متعلق مبالغہ آمیز روایتیں پیدا ہوجائیں اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف کے واقعات اس معیار پر ٹھیک اترتے ہیں، شعراء جب مبالغہ آمیز طور پر کسی بادشاہ کے عدل و انصاف کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کے زمانے میں بھیڑیا اور بکری ایک ساتھ پانی پیتے ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ بھیڑیا بکری کی چوپانی کرتا ہے لیکن حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں اس مبالغہ نے واقعہ کی صورت اختیار کرلی اور اس کے متعلق بہت سی موضوع روایتیں پیدا ہوگئیں، چنانچہ موسیٰ بن اعین سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے زمانے میں بکریاں چراتے تھے، تو بھیڑیئے بھی ان کے ساتھ ساتھ چرتے تھے، لیکن ایک رات بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کیا، تو میں نے کہا کہ وہ نیک مرد ضرور مرگیا، چنانچہ واقعی انھوں نے اسی شب کو انتقال کیا[1]،

اب ہم کو تاریخی واقعات کی زبان سے یہ بتانا چاہئے کہ اس مبالغہ میں سچ کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت سے پہلے،

(۱) رعایا کے مال و جائداد پر غاصبانہ قبضہ کرلیا گیا تھا،

(۲) قبلہ گاہ عالم یعنی بنو ہاشم کے تمام حقوق پامال کردیئے گئے تھے،

---

[1] سیرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ ص

(۳) نہایت سفاک اور خونریز عمال مقرر کئے گئے تھے،

(۴) محض ظن وتخمین کی بنا پر رعایا کو سزائیں دی جاتی تھیں، اور عورتوں کو مردوں کے بدلے میں گرفتار کیا جاتا تھا،

(۵) رعایا سے بغیر مزدو اُجرت بیگار کی خدمت لیجاتی تھی،

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے تخت سلطنت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی ان تمام مظالم کی طرف توجہ کی، اور عدل وانصاف کا منارہ بلند کیا، مورخ یعقوبی لکھتا ہے،

نکث عمر اعمال اھل بیتہ وسماھا مظالم وکتب الی عمالہ جمیعا اما بعد فان الناس قد اصابھم بلاء و شدۃ وجور فی احکام اللہ وسنن سیئۃ سنھا علیھم عمال السوء قلما قصد واقصد الحق والرفق والاحسان۔[1]	حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے خاندان کا نظام عمل الٹ دیا اور اس کا نام مظالم رکھا اور اپنے تمام عمال کو لکھا کہ لوگ احکام الہٰی میں ان بدترین عہدہ داروں کی وجہ سے جنھوں نے بہت کم انصاف، نرمی اور احسان کا ارادہ کیا، مصیبت، سختی اور ظلم میں مبتلا ہوگئے اور انھوں نے برُے دستور قائم کئے۔

چنانچہ سب سے پہلے انھوں نے رعایا کے حقوق کی طرف توجہ کی اور اموال مغصوبہ کو واپس کیا، جس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں،

خاندان نبوت کے حقوق کی پامالی کا آغاز حضرت امیر معاویہؓ ہی کے زمانے میں ہوچکا تھا، چنانچہ فدک جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھا، اور جس سے آپ بنو ہاشم کی اعانت کرتے تھے، اس کو انھوں نے مروان کی جاگیر میں دیدیا تھا،[2] خمس جو خالص بنو ہاشم کا حق تھا اس کو

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ [2] ایضاً صفحہ ۳۶۶،

بھی انھوں نے روک دیا تھا، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ولید اور سلیمان بن عبدالملک کو اپنی خلافت سے پہلے اس طرف توجہ بھی دلائی، لیکن دونوں نے انکار کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا دور خلافت آیا تو انھوں نے اپنے قدیم مشورہ پر عمل کیا، فدک کا نصف حصہ اگرچہ وراثۃً خود ان کی ملک میں آگیا تھا، لیکن ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ یہ میرے لئے جائز نہیں ہے، میری رائے ہے کہ عہد نبوتؐ، عہد ابوبکرؓ، عہد عمرؓ اور عہد عثمانؓ میں اس کی جو حالت تھی، اس پر اس کو واپس لاؤں، اور بعد کو جو کچھ ہوا ہو اس کو چھوڑ دوں خمس کے متعلق بھی تحقیقات کی اور پانچ ہزار دینار ابوبکر بن حزم کے پاس بھیجے اور لکھا کہ اس میں پانچ ہزار اور ملاکر بنو ہاشم کے مرد، عورت، چھوٹے بڑے سب کو برابر برابر دیدو اگرچہ زید بن حسن سخت برہم ہوئے کہ ہمکو لونڈوں کے برابر کیا جاتا ہے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کی کچھ پروا نہیں کی،

عبداللہ بن محمد بن عقیل سے ایک روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے پہلا مال جو ہم اہل بیت پر تقسیم کیا، اس میں مرد، عورت اور بچے سب کے سب برابر کے شریک تھے اور ہر ایک کے تین تین ہزار اشرفیاں ملیں، انھوں نے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ اگر میں زندہ رہا تو تمھارے تمام حقوق تم کو دونگا،

خاندان نبوت پر اس کا نہایت عمدہ اثر ہوا، اور وہ ان کے پرجوش حامی بن گئے، چنانچہ ایک بار علی بن عبداللہ بن عباسؓ اور ابوجعفر بن علی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی غیبت شروع کی، ان لوگوں نے اس کو منع کیا اور کہا کہ امیر معاویہؓ کے زمانے سے آج تک ہمکو خمس نہیں ملا تھا، لیکن عمر بن عبدالعزیزؓ نے بنو عبدالمطلب پر اس کو تقسیم کیا،

حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے ان کو نہایت شکر گذاری کے ساتھ ایک خط میں لکھا کہ امیر المومنین نے ائمۂ راشدین مہدیین کی سنت کے اتباع میں ہم کو جو مال بھیجا وہ پہنچا اور ہم پر

تقسیم ہوا، خداوند تعالیٰ آپ کو جزاے خیر دے، ہم پر ظلم کیا گیا تھا، اور ضرورت تھی کہ ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے، اے امیرالمومنین میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جس کے پاس خادم نہ تھا اسکو خادم مل گیا جس کے پاس کپڑا نہ تھا اس کو کپڑا مل گیا، اور جس کے پاس خرچ نہیں تھا اسکو خرچ مل گیا،

قاصد یہ خط لیکر ان کے پاس آیا تو نہایت مسرور ہوئے، خدا کا شکر ادا کیا اور اسکو دس اشرفیاں دیں اور فاطمہ کی خدمت میں پانچسو اشرفیاں اور بھیجیں اور لکھا کہ اسکو اپنی ضروریات میں صرف کیجئے[۱]،

عمال میں حجاج بن یوسف ولید کے زمانے میں سب سے زیادہ مقبول بارگاہ تھا، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس کو بدترین خلائق سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن دنیا کی تمام قومیں خباثت میں مقابلہ کریں، اور ہر قوم اپنے خبیث کو مقابلہ میں لائے تو ہم حجاج کو پیش کرکے تمام دنیا پر غالب ہو جائیں گے[۲]، اگرچہ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خوش قسمتی تھی کہ سلیمان ابن عبدالملک نے حجاج کے تمام مقرر کردہ عمال کو معزول کرکے اس کے جبارانہ اقتدار کو بہت کچھ مٹا دیا تھا[۳]، تاہم اب تک اس کے ظلم وستم کی جو یادگاریں باقی تھیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کا بھی خاتمہ کر دیا، حجاج کے تمام خاندان کو یمن کی طرف جلاوطن کر دیا اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمھارے پاس آل ابوعقیل کو بھیجتا ہوں، عرب میں یہ بدترین خاندان ہے، ان کو اپنی حکومت میں ادھر اُدھر منتشر کر دو[۴]، جو لوگ حجاج کے ہم قبیلہ تھے، یا ان کی ماتحتی میں کام کر چکے تھے ان کو ہر قسم کے ملکی خدمات سے محروم کر دیا، چنانچہ اسکی تفصیل اوپر گذر چکی،

سیاست کا تمامتر دارومدار سوءظن پر ہے، اس لئے ظلم پیشہ سلطنتیں ہمیشہ ذرا ذرا سی

---

[۱] تمام تفصیل طبقات ابن سعد صفحہ ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹ میں ہے [۲] سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۸۹،
[۳] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۲ [۴] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ صفحہ ۹۰،

بدگمانی پر رعایا کو سزائیں دیتے ہیں، جو سب سے بڑا ظلم ہے، خلفائے بنو امیہ میں مورخ یعقوبی کے بیان کے مطابق ولید نے اس کی ابتدا کی اور محض ظن و تخمین کی بنا پر مجرموں کو قتل کی سزائیں دیں[1] لیکن مورخ طبری نے اولیت کا شرف زیاد کو بخشا ہے، بہر حال حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت سے پہلے اس ظلم کی ابتدا ہو چکی تھی، اور سینکڑوں آدمی اپنے واہی جرائم کی پاداش میں تہ تیغ ہو چکے تھے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز اور خلاف سنت قرار دیا، چنانچہ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے،

بیگاری کا جو طریقہ جاری تھا نہایت سختی کے ساتھ اس کا انسداد کیا، ایک افسران کی خدمت میں بیگار کی سواری میں آیا تو بولے کہ میری حکومت میں تم لوگ بیگاری پکڑتے ہو، اسکے بعد اس کو چالیس کوڑے لگوائے،[2]

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص۳۴۳ [2] طبقات ابن سعد ص۲۷۶،

رعایا کی خوشحالی

مذہب، حکومت، اخلاق، قانون، غرض تمام اجتماعی چیزوں کا آخری نتیجہ صرف یہ ہے کہ دنیا فراغ بالی کے ساتھ زندگی بسر کرے، اور اس نتیجہ کے لحاظ سے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کا دورِ حکومت دنیا کے کل بادشاہوں سے زیادہ کامیاب رہا،

جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدیؓ بن حاتم سے ایک پیشین گوئی کی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں،

یا عدی هل رایت الحیرة قلت	کیوں عدی! تم نے حیرہ کو دیکھا ہے، میں نے
لم ارها وقد انبئت عنها قال	کہا دیکھا نہیں ہے سنا ہے، فرمایا تو اگر کچھ دنوں
فان طالت بك حیاة لترین	اور زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک ہودج نشین
الظعینة ترتحل من الحیرة حتی	عورت حیرہ سے سفر کرکے آئیگی اور خانہ کعبہ
تطوف بالکعبة لا تخاف احدا	کا طواف کرے گی اور خدا کے سوا
الا الله	اس کو کسی کا ڈر نہ ہوگا .. ..
ولئن طالت بك حیاة لتفتحن	اگر تم کچھ دنوں زندہ رہے تو دیکھوگے
کنوز کسری .. .. ولئن	کہ کسریٰ کے خزانے مفتوح ہوگئے، اگر
طالت بك حیاة لترین الرجل	تم کچھ دنوں زندہ رہے تو دیکھوگے کہ ایک
یخرج ملء کفه من ذهب او فضة	شخص مٹھی بھر سونا یا چاندی لیکر اُس

یطلب من یقبلہ منہ فلا یجد ‏ شخص کی تلاش میں نکلے گا جو اسکو قبول کرے

احدا یقبلہ منہ، ‏ لیکن اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ملیگا،

عدی بن حاتم کی زندگی ہی میں اوپر کی دو پیشین گوییاں پوری ہو چکیں لیکن تیسری پیشین گوئی ان کے سامنے پوری نہیں ہوئی، اور انھوں نے اسکی صداقت کو آیندہ نسل کے لئے چھوڑ دیا، اس بنا پر محدثین میں اختلاف ہے کہ یہ پیشین گوئی کب پوری ہوگی؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا زمانہ نزول عیسیٰ کے بعد آئے گا، لیکن بیہقی کے نزدیک حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں یہ پیشینگوئی پوری ہو چکی، چنانچہ انھوں نے دلائل میں روایت کی ہے، کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے صرف ڈھائی برس خلافت کی لیکن اسی مختصر زمانے میں یہ حالت ہو گئی کہ لوگ ان کے عمال کے پاس بہ کثرت مال لے کر آتے تھے، اور کہتے تھے کہ فقراء کو دیدو، لیکن ان کو اپنا مال واپس لے کر جانا پڑتا تھا، کیونکہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے تمام لوگوں کو اس قدر مالا مال کر دیا تھا کہ کوئی شخص اس قابل نہیں ملتا تھا کہ اس کو یہ مال دیا جائے، اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ آپؐ نے عدی بن حاتم سے فرمایا تھا،

لئن طالت بک حیاۃ، ‏ اگر تم کچھ دنوں زندہ رہے،

اور وہ نزول عیسیٰ کے زمانے تک کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتے تھے[1]

تاریخی واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، طبقات ابن سعد میں محمد بن قیس سے روایت ہے، کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے حکم دیا کہ مستحقین پر صدقہ تقسیم کیا جائے لیکن مینے دوسرے سال دیکھا کہ جو لوگ صدقہ قبول کرتے تھے وہ صدقہ دینے کے قابل ہو گئے،[2]

یحییٰ بن سعید کا بیان ہے کہ مجھ کو حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے افریقہ کا صدقہ وصول کرنے

---

[1] فتح الباری جلد ۶ ص ۴۸۲ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز ص ۲۵۶،

کے لئے بھیجا، میں نے صدقہ وصول کر کے فقراء کو بلایا کہ ان پر تقسیم کردوں، لیکن مجھ کو کوئی فقیر نہیں ملا کیونکہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے لوگوں کو دولت مند بنا دیا تھا، اس لئے میں نے صدقہ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کر دیئے[1]،

ایک بار مدینہ سے کوئی شخص آیا، اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس سے اہل مدینہ کے حالات پوچھے اور کہا کہ ان مسکینوں کا کیا حال ہے جو فلاں فلاں جگہ بیٹھتے تھے، اس نے کہا کہ اب وہ وہاں سے اٹھ گئے، خدا نے ان کو بے نیاز کر دیا، یہ وہ غربا، تھے جو مسافروں کے لئے چارہ بیچتے تھے، لیکن جب حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے زمانے میں ان سے چارہ مانگا گیا تو کہا کہ اب ہم کو عمرؓ بن عبدالعزیز کے عطیہ نے اس تجارت سے بالکل بے نیاز کر دیا[2]،

ان کے زمانے میں رعایا کی یہ خوشحالی اس درجہ کو پہونچ گئی کہ ان کے عمال کو خوف پیدا ہوا کہ لوگ دولت کے نشے میں کہیں حد اعتدال سے گذر کر کبر و نخوت میں مبتلا نہ ہو جائیں، چنانچہ عدی بن ارطاۃ نے ان کو لکھا کہ اہل بصرہ اس قدر خوشحال ہو گئے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ مغرور نہ کرنے لگیں، لیکن حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ خدا نے جب اہل جنت کو جنت میں داخل کیا تو انکے لئے یہ پسند کیا کہ وہ الحمد للہ کہیں، اس لئے تم بھی لوگوں کو حکم دو کہ خدا کا شکر بجالائیں[3]،

ان واقعات کے پیش نظر رکھنے کے بعد ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس عام خوشحالی کے اسباب کیا تھے، لیکن ہم کو ان اسباب کی جستجو میں بہت زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نہیں، وہ اس کثرت سے ہیں کہ حضرت

---

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص۵۹ [2] سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز ص۲۰ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ص۲۹۳،

عمر بن عبدالعزیزؒ کے سوانح زندگی جہاں سے اٹھاکر پڑھو ان میں کوئی نہ کوئی سبب ضرور نظر آئے گا،

(۱) اسلامی خلافت میں ملک کی خوش حالی کا تامتر دار مدار بیت المال پر تھا، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بیت المال کا دروازہ تمام قوم کے لئے کھول دیا تھا، اس سے امیر و غریب سب یکساں طور پر متمتع ہوتے تھے، ایک بار ایک شخص کو رقہ میں تقسیم مال کے لئے بھیجا تو اس نے کہا کہ آپ مجھے ایسی جگہ بھیجتے ہیں، جہاں میں کسی کو نہیں پہچانتا، حالانکہ ان میں امیر و غریب ہر قسم کے لوگ ہیں، بولے جو شخص تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اسکو دو[1]،

اپاہجوں کے وظائف مقرر کئے[2]، اور اس پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ جو عامل اس کی خلاف ورزی کرتا تھا وہ معتوب ہوتا تھا، ایک بار دمشق کے بیت المال سے ایک اپاہج کا وظیفہ مقرر کیا گیا، تو ایک عامل نے کہا کہ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ سلوک تو کیا جا سکتا ہے لیکن صحیح آدمی کے برابر وظیفہ نہیں مقرر کیا جا سکتا، لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو انھوں نے اس پر اپنا عتاب ظاہر فرمایا[3]،

ملک میں جتنے مسلمان تھے ان میں بچے بچے کا وظیفہ مقرر کیا، محمد بن عمر کا بیان ہے کہ میں سنہ ۹۹ھ میں پیدا ہوا تو میری دایہ مجھ کو ابو بکر بن حزم کی خدمت میں لے گئی، اور انھوں نے مجھ کو ایک دینار دیا، ہیثم بن واقد کہتے ہیں کہ میں ۹۷ھ میں پیدا ہوا، اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے اور مجھے ان کی خلافت میں تین دینار بطور وظیفہ سالانہ کے ملے[4]،

یہ وظائف تمام لوگوں کو مساویانہ طور پر ملتے تھے[5]، یہاں تک کہ جو لوگ ہمیشہ سے متفوق

---

[1] زرقانی شرح موطا جلد ۲ ص ۲۳ [2] اصابہ تذکرہ عرام بن المنذر [3] طبقات ابن سعد ص ۲۵ [4] ایضاً ص ۵۷
[5] ایضاً ص ۲۵۶،

وامتیاز کے خوگر تھے، وہ اس مساوات کو دیکھ کر ان سے بالکل الگ ہو گئے[۱]، عرب اور موالی میں ہر قسم کے عطیہ میں مساوات تھی، صرف آزاد شدہ غلاموں کے وظائف میں کچھ فرق تھا، یعنی وہ ۲۵-اشرفیاں پاتے تھے[۲]،

وظائف میں معتدبہ اضافہ بھی کرتے رہتے تھے، چنانچہ ایک بار اس میں دس دس دینار یا درہم کا اضافہ کیا، اور اس سے عرب اور موالی دونوں یکساں طور پر متمتع ہوئے[۳]،

اس فیاضانہ طرز عمل سے بیت المال کو سخت نقصان پہنچا، چنانچہ بعض عمال نے انکو اس طرف توجہ بھی دلائی، لیکن انھوں نے اسکی کچھ پروا نہیں کی، اور ان کو لکھا کہ جب تک خزانے میں روپیہ ہے دیئے چلے جاؤ، جب کچھ نہ رہے تو اس میں کوڑا کرکٹ بھر دو[۴]،

وظائف وعطایا کے علاوہ غربا کی امداد واعانت کے مختلف طریقے قائم کئے،

(۱) ایک عام لنگرخانہ قائم کیا، جس سے فقراء ومساکین کو برابر کھانا ملتا تھا[۵]،

(۲) تمام لوگوں کے لئے مساویانہ طور پر غلہ مقرر کیا، جو فی کس ساڑھے چار اردب ملتا تھا[۶]،

(۳) غربا کے پاس جو کھوٹے سکے ہوتے تھے ان کی نسبت بیت المال کے افسروں کو لکھا کہ اگر یہ لوگ ان سکوں کو بدلنا چاہیں تو کھرے سکوں سے بدل دئے جائیں[۷]،

(۴) بیت المال میں ایک خاص مد قائم کی جس سے قرضداروں کا قرض ادا کیا جاتا تھا[۸]،

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۸۲ [۲] طبقات ص۲۷۰ [۳] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۸۳، مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ اس اضافہ سے اہل عراق محروم رہے [۴] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۸۵ [۵] طبقات ص۲۷۰ [۶] ایضاً ص۲۵۵ [۷] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۹۰ [۸] طبقات ص۲۵۷،

(۵) قیدیوں کا وظیفہ مقرر فرمایا[۱]

(۶) جن لوگوں کے وظائف کسی جرم یا کسی سبب سے روک دیئے گئے، اون کو تمام بقایا وظیفہ دے دیا[۲]،

(۲) دوسرے خلفار کے زمانہ میں ملک کی غربت وافلاس کا بڑا سبب یہ تھا کہ خلفار وعمال دوسروں کے مال وجائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے تھے، اور وہ ہمیشہ کے لیئے ان کی ملک ہوجاتے تھے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جیسا کہ اوپر گذرا ان تمام لوگوں کی جائدادیں واپس کردیں، بلکہ اس کے معاوضہ میں خود بیت المال سے بہت سی رقمیں واپس دلوائیں، خود ان کے امرار وعمال میں اگر کسی نے اس قسم کی دست درازی کی، اور ان کو اس کا علم ہوا تو فوراً مال مغصوبہ کو واپس دلایا، ایک بار کسی شخص نے اُن کی خدمت میں شکایت کی کہ آذربیجان کے عامل نے ظلماً میرے ۱۲ ہزار درہم لے لئے اور اسکو بیت المال میں داخل کردیا، تو حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے حکم دیا کہ اس کو فوراً یہ رقم واپس دلادیجائے[۳]، ایک بار ایک شخص نے شکایت کی کہ شاہی فوج کے گذرنے سے اس کی زراعت بالکل پامال ہوگئی، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسکو دس ہزار درہم تاوان دلوایا[۴]،

(۳) رعایا کو جو کچھ بیت المال سے ملتا تھا، اسکے دینے میں تو یہ فیاضی تھی لیکن رعایا سے جو رقم وصول ہوکر بیت المال میں داخل ہوتی تھی اس میں بہت سی رقموں کو بالکل ناجائز قرار دیا، چنانچہ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے،

صدقات میں پہلے جو زائد رقمیں وصول کی جاتی تھیں، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ان تمام

---

[۱] طبقات ص۲۵۲ [۲] ایضاً ص۲۵۵ [۳] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص۸۲ [۴] ایضاً ص۸۳ یہ واقعہ اس موقع سے بہت کم مناسبت رکھتا ہے ہم نے استطراداً اس کا تذکرہ کردیا،

رقموں کو معاف کر دیا، ایک بار ان کا ایک عامل صدقہ وصول کر کے آیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی مقدار پوچھی، اُس نے مقدار بتائی تو پوچھا کہ تم سے پہلے کس مقدار میں صدقہ وصول ہوتا تھا، اس نے اس سے زیادہ مقدار بتائی، فرمایا یہ کہاں سے وصول ہوتی تھی، اس نے کہا یا امیرالمومنین پہلے گھوڑے سے ایک دینار، خادم سے ایک دینار اور فدان سے پانچ درہم وصول کئے جاتے تھے لیکن آپ نے ان رقموں کو بالکل معاف کر دیا' فرمایا میں نے معاف نہیں کیا خدا نے معاف کیا[۱]،

خراج کی وصولی کے متعلق سخت حکم تھا کہ اس میں کسی قسم کا ناجائز طریقہ استعمال نہ کیا جائے، چنانچہ میمون بن مہران کو لکھا کہ میں نے مقدمات و تحصیل خراج و جزیہ میں تم کو ظلم کے لئے تکلیف نہیں دی، جو کچھ وصول کرو حلال مال سے وصول کرو، اور مسلمانوں کے لئے صرف حلال طیب مال جمع کرو[۲]،

اگر کبھی معلوم ہوتا تھا کہ خراج کی وصولی میں اس قسم کا ناجائز طریقہ اختیار کیا گیا ہے تو سخت دار و گیر کرتے تھے' اور اس کی تحقیقات کے لئے اشخاص روانہ کرتے تھے' ایک بار معلوم ہوا کہ ایران میں بہت سے عمال پھلوں کا تخمینہ کر کے اس کو نرخ بازار سے مختلف نرخ پر فروخت کرتے ہیں' اور اس کے بدلے میں روپیہ لیتے ہیں، اور بہت سے کرد راستہ میں لوگوں سے عشر وصول کرتے ہیں، تو اس کی تحقیقات کے لئے بشر بن صفوان، عبداللہ بن عجلان، اور خالد بن سالم کو مقرر فرمایا' اور عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ "اگر یہ واقعہ صحیح ہوگا تو یہ لوگ اِن پھلوں کو جو اس طریقہ سے وصول کئے گئے ہیں واپس کر دیں گے، معمولی نرخ کی پابندی کریں گے' اور جو خبریں مجھ تک پہونچی ہیں، ان سب کی تحقیقات کریں گے تم ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا[۳]"،

ان سے پہلے جو خلفا رہتے تھے وہ ذمیوں سے غیر معمولی سختی کے ساتھ جزیہ وصول

---

[۱] طبقات ص۲۲ [۲] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص۹۵ [۳] طبقات ابن سعد ص۲۹۰،

کرتے تھے اس لئے وہ پیداوار کو نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کرکے اس شکنجۂ عذاب سے آزاد ہو جاتے تھے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس معاملے میں نہایت آسانیاں کیں، اس لئے ان کے زمانے میں پیداوار کا نرخ کسی قدر گراں ہو گیا، جس سے ناگزیر طور پر زمینوں کو مالی فائدہ پہنچا[۱]

اب ملک کی شادابی، سرسبزی اور خوشحالی کے ان اسباب پر مجموعی حیثیت سے غور کرو کہ بیت المال کی کل رقم صرف رعایا پر صرف ہوتی ہے، سب کے وظائف مقرر ہوتے ہیں، لولے، لنگڑے، بوڑھے، بچے، موالی وعرب سب اس سے یکساں طور پر فائدہ اٹھاتے ہیں، وظائف میں اضافے ہوتے رہتے ہیں، لنگر خانہ قائم ہوتا ہے، تمام قوم کو غلہ ملتا ہے، غریبوں کے کھوٹے سکے بیت المال سے بدل دیئے جاتے ہیں، مغصوبہ جائدادیں رعایا کو واپس ملتی ہیں، رعایا کے نقصانات کا تاوان دلایا جاتا ہے، مختلف قسم کے گرانبار ٹکس معاف کر دیئے جاتے ہیں، جزیہ وخراج میں تخفیف ہوتی ہے، اور اون کی وصولی کا طریقہ، بالکل جائز اور نہایت آسان اختیار کیا جاتا ہے، ملک کی پیداوار کا نرخ گراں ہو جاتا ہے، تو اس سے صاف معلوم ہو جائیگا، کہ جس ملک جس قوم اور جس سلطنت میں یہ سب جمع ہو جائیں گے، تو اس میں رفاہیت، خوشحالی، تمول اور سرسبزی وشادابی کے سوا اور کس چیز کا دور دورہ ہوگا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا عہد سلطنت اِن تمام اسباب کا جامع تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کا جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے، مصداق تھا،

---

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۶۲،

نظام حکومت کا انقلاب

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جو عادلانہ نظام حکومت قائم کیا تھا، یزید بن عبد الملک نے جو ان کا جانشین ہوا صرف چالیس دن تک اس کو قائم رکھا، اس کے بعد اس جادۂ اعتدال سے الگ ہو گیا[1]، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جو متدین عمال مقرر کئے تھے، یزید نے ان سب کو یک قلم موقوف کر دیا[2]، نوروز اور مہرجان کے تحفے اور بیگار کی رسم جن کو حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے بالکل مٹا دیا تھا دوبارہ قائم کی[3]، فدک جس کو حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اپنی وراثت سے نکال کر اولاد فاطمہ کو دیا تھا، یزید نے اس کو پھر واپس لے لیا[4]، دمشق کا ایک گرجا جو بنی نصر کی جاگیر میں آ گیا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اسے نصاریٰ کو واپس کر دیا تھا، لیکن یزید نے اس کو دوبارہ پھر اسی خاندان کو دیدیا[5]، محمد بن یوسف نے اہل یمن پر جو ظالمانہ خراج لگایا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اس کو عشر سے بدل دیا تھا، لیکن یزید بن عبد الملک نے اس کو دوبارہ قائم کیا[6]، حجاج اہل نجران سے جزیہ میں اٹھ سو منقش کپڑے لیتا تھا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ان کے ساتھ تخفیف و رعایت کی اور دو سو کپڑے کر دیئے، لیکن یوسف بن عمر ولید بن یزید کے زمانے میں جب عراق کا والی ہوا تو اس نے پھر حجاج کا وہی قدیم طریقہ قائم کر دیا[7]، فرات کے پاس نو مسلموں

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴، تذکرہ یزید بن عبد الملک [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۶۲ [3] ایضاً جلد ۲ ص ۳۶۷،
[4] ایضاً ص ۳۶۶ [5] فتوح البلدان ص ۱۳۰ [6] ایضاً ص ۸۰ [7] ایضاً ص ۷۳،

کی جو زمینیں تھیں یا غیر قوموں کی جن زمینوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا، حجاج نے ان کو خراجی قرار دیا تھا، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے دوبارہ اس کو عشری قرار دیا لیکن عمر بن ہبیرہ نے اس طریقہ کو بدل دیا، اور پھر اُن سے خراج وصول کیا[۱]، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے لوگوں کو قدریہ کے مذہب کے قبول کرنے سے سختی کے ساتھ روکا تھا، لیکن جب یزید ابن ولید خلیفہ ہوا تو اس نے اس مذہب کی عام دعوت دی اور غیلان کے رفقار کو مقرب بارگاہ بنایا[۲]، غرض حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جو نظام سلطنت قائم کیا تھا، وہ چند ہی روز میں بالکل درہم برہم ہو گیا، اور دنیا نے صرف ڈھائی برس حضرت عمرؓ بن الخطاب کے طرز حکومت سے فائدہ اٹھایا،

---

[۱] فتوح البلدان ص۳۷۵ [۲] تاریخ الخلفاء ص۲۵۵،

مآثرِ بنی امیہ[1]

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کے واقعاتِ زندگی کے سلسلہ میں خلفائے بنو امیہ کے جو مثالب ضمنی طور پر آگئے ہیں، ان کی بنا پر ان کے محاسن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا،

قومی عصبیت کا تحفظ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عرب کی عصبیت، عرب کی سادگی اور عرب کے شعار کو قائم رکھا اس بنا پر ان کا نظام حکومت ڈپلومیسی یعنی مخادعات سیاسیہ سے بالکل ناآشنا رہا، اور اس کی تمام تر بنیاد قوت، بسالت اور شجاعت پر قائم رہی، اس کے بخلاف دولت عباسیہ بالکل عجمی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی، خلفاء، تو بے شبہہ عربی النسل تھے لیکن خلافت کے چلانے والے تمام تر عجمی تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خلافت نے قوت کے سرمایہ کو بالکل کھو دیا اور اس کی بنیاد تمام تر حیل سیاسیہ پر قائم ہو گئی، چنانچہ آداب السلطانیہ میں اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ لکھی ہے،

واعلم ان الدولۃ العباسیۃ	دولت عباسیہ ایک پر فریب اور حیلہ باز
کانت دولۃ ذات خدع ودھاء	سلطنت تھی، اس میں بہ نسبت قوۃ
وغدر، کان قسم التحیل و	کے مکر و فریب کا عنصر زیادہ غالب
المخادعۃ فیھا اوفر من قسم القوۃ	تھا، بالخصوص اس کے آخری زمانہ

[1] حضرت الاستاذ علامہ شبلی مرحوم نے اپنے رسالہ الانتقاد میں جو کچھ مآثر بنو امیہ پر لکھا ہے وہ اس مضمون میں لے لیا گیا ہے

والشدة خصوصاً في اواخرها فان	میں پچھلے خلفاء نے تو قوت و شجاعت
المتاخرين منهم ابطلوا القوة والشدة	کو بالکل کھو دیا، اور مکر و فریب
والنجدة وركنوا الى الحيل والخدع.[1]	کی طرف مائل ہو گئے،

کثرت فتوحات اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اموی دور میں فتوحات کو جس قدر وسعت ہوئی، تاریخ اسلام میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، خلافت راشدہ میں اگرچہ اسلام کی فتوحات کا دائرہ بہت کچھ وسعت پذیر ہو چکا تھا تاہم مجاہدین کا قدم حدود عرب، دیار شام، اور مصر و ایران سے آگے نہ بڑھ سکا تھا، لیکن بنو امیہ کے دور حکومت میں، طرابلس، طنجہ، اندلس، چین، ہند، روم، قسطنطنیہ، عراق، تونس، مراکش، خراسان، فارس، توران، طبرستان، جرجان، سجستان، افغانستان، سبھی اسلام کے زیر نگیں ہوئے اور مشرق و مغرب، جنوب و شمال غرض دنیا کے ہر حصے میں اسلام کا پرچم لہرایا،

خلفاء بنو امیہ میں اس حیثیت سے ولید کا زمانہ خصوصیت کے ساتھ ایک یادگار زمانہ خیال کیا جاتا ہے، چنانچہ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں،

ولكنه اقام الجهاد في ايامه وفتحت	لیکن اس نے اپنے زمانہ میں جہاد کو قائم کیا اور
في خلافته فتوحات عظيمة[2]	اسکی خلافت میں بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں

یہ جنگی طاقت اسی ساز و سامان کے ساتھ ہشام کے زمانے تک قائم رہی، چنانچہ مسعودی نے اس کے حالات میں لکھا ہے،

واستجاد الكسى والفرش وعدد	اس نے عمدہ لباس عمدہ فرش اور عمدہ
الحرب ولامتها واصطنع الرجال	آلات حرب تیار کرائے، فوجی کام کے لئے
وقوى الثغور[3]	سپاہی تیار کئے اور سرحد کو مضبوط کیا،

[1] آداب السلطانیہ ص ۵ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۳ [3] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد ۳ ص ۲۱۰،

باقاعدہ طور پر بحری جنگ کا آغاز بھی بنوامیہ ہی کے زمانہ میں ہوا، انہی کے زمانے میں اس نے وسعت حاصل کی، انہی کے زمانے میں سواحل کی قلعہ بندی ہوئی، اور انہی کے زمانہ میں جہاز سازی کے کارخانے قائم ہوئے،

انتظامات ملکی لیکن فتح بجائے خود کوئی ایسا قابل فخر کارنامہ نہیں ہے، بلکہ فتوحات کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مفتوحہ ممالک میں کیا کیا انتظامات کئے گئے؟ رعایا کی بہبودی، زراعت کی شادابی اور رفاہ عام کے متعلق کیا کیا خدمات انجام دی گئیں؟ اور ملک کی آبادی اور ملک کی ترقی پر فاتح کا کیا اثر پڑا؟ لیکن بنوامیہ کا دور حکومت اس حیثیت سے بھی ایک مہذب دور حکومت کہا جا سکتا ہے،

زمین کی پیمائش زمین کی پیمائش سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب نے کرائی تھی، ان کے بعد کسی خلیفہ نے اسکی طرف توجہ نہیں کی، یزید بن عبدالملک پہلا شخص ہے جس نے اس طرف توجہ کی، اور عمر بن ہبیرہ کو عراق کے بندوبست کے لئے لکھا[1]، اگرچہ علامہ یعقوبی کی تصریح کے موافق اس سے خراج میں کوئی تخفیف اور آسانی نہیں پیدا ہوئی، تاہم اس سے ملکی انتظامات کی باقاعدگی کا اندازہ ہو سکتا ہے،

زرعی نہریں حضرت امیر معاویہؓ نے ذرائع آب پاشی کو نہایت ترقی دی اور ان کو اس کا خاص اہتمام تھا، چنانچہ خلاصۃ الوفا میں ہے،

كان بالمدينة المشرفة وما حولها عيون كثيرة وكان لمعاوية اهتمام بهذا الباب[2]	مدینہ شریف اور اس کے اطراف میں بہت سی نہریں جاری تھیں اور امیر معاویہؓ کو اسکا خاص اہتمام تھا،

حضرت امیر معاویہؓ نے جو نہریں جاری کرائیں ان میں نہر کظامہ، نہر ازرق، اور نہر شہداء وغیرہ کا نام وفاء الوفاء اور خلاصۃ الوفاء میں مذکور ہے،

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۶۰ [2] خلاصۃ الوفا ص ۲۳۷،

حضرت امیر معاویہؓ نے پہاڑوں کی بعض گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر ان کو بھی تالاب کی صورت میں بدل دیا تھا، جس میں پانی جمع ہوتا تھا[1] اور اُن سے زراعت کی پیداوار کو جو ترقی ہوئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان نہروں کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں کی پیداوار ہوتی تھی،

پانی پینے کے چشمے خلفاے بنو امیہ نے زرعی نہروں کے علاوہ اور بہت سے چشمے جاری کرائے، جس سے رعایا کو شور پانی کے بجاے آب شیریں میسر ہوا، سلیمان بن عبد الملک نے مکہ میں آب شیریں کا ایک چشمہ جاری کرایا جس کا پانی سیسہ کی نالی کے ذریعہ سے مسجد حرام تک پہنچتا تھا، پھر ایک فوارے کے ذریعہ سے ایک سنگی حوض میں گرتا تھا، جو رکن اسود اور زمزم کے درمیان تیار کرایا گیا تھا۔

یہ حوض بنو امیہ کے اخیر زمانے تک قائم رہا لیکن جب بنو ہاشم کا دور حکومت آیا تو داؤد بن علی نے اسکو منہدم کرا دیا،[2] ہشام نے بھی مکہ کے رستوں میں متعدد حوض و تالاب تیار کرائے تھے، لیکن وہ بھی دولت عباسیہ کے آغاز میں داؤد بن علی کے ہاتھوں برباد ہوئے،[3] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفاے عباسیہ نے کس بیدردی کیساتھ بنو امیہ کی یادگاروں کو مٹایا، مکہ کے بعد پانی کی ضرورت سب سے زیادہ بصرہ والوں کو تھی، اور خلفاے بنو امیہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ اس ضرورت کو پورا کیا، چنانچہ ایک بار بصرہ کے لوگوں نے یزید کے عامل کے پاس آب شیریں کی ضرورت ظاہر کی، تو اسکی اطلاع دینے پر یزید نے اس کو ایک نہر کھدوانے کا حکم دیا، اور لکھا کہ "اگر عراق کا کل خراج اس پر صرف ہو جائے، تب بھی خرچ کرنے سے دریغ نہ کیا جائے،" چنانچہ اس نے ایک نہر کھدوائی جس کا نام نہر عمر ہے،

بنو امیہ کے عمال نے بصرہ میں اور بھی بہ کثرت نہریں کھدائیں جن کے نام فتوح البلدان میں قدم قدم پر ملتے ہیں،

---

[1] وفاء الوفا، جلد ۲ صٓ ۳۲۱ [2] یعقوبی جلد ۲ صٓ ۳۵۲ [3] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد ۳ صٓ ۳۱،

راستوں کی ہمواری | عرب ایک سنگستانی مقام ہے جہاں کے راستے نہایت دشوار گذار ہیں ولید نے رفاہ عام کے جہاں بہت سے کام کئے اسی سلسلہ میں اس نے عرب کے تمام راستے ہموار کرائے اور ان میں کنویں کھدوائے،[1]

انطاکیہ اور مصیصہ کے درمیان جو راستہ تھا وہ موذی جانوروں کی وجہ سے بالکل غیر مامون تھا، ولید نے اس خطرہ کے انسداد کے لئے چار ہزار بھینسے بھیجے، جن سے درندوں کا خطرہ بہت کم ہو گیا اسی طرح اس نے اور بھی بعض جنگل کٹوائے، جن سے لوگوں کو درندوں کے حملے سے نجات ملی

شفا خانہ | رفاہ عام کے کاموں میں ولید پہلا فرمانروا ہے جس نے شفا خانے کی بنیاد ڈالی، چنانچہ مورخ یعقوبی لکھتا ہے،

وکان اول من عمل البیمارستان للمرضی[2] — ولید پہلا شخص ہے جس نے مریضوں کیلئے شفاخانہ بنایا

مہمان خانہ | مسافروں کے لئے سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضہ نے مہمان خانہ تعمیر کروایا، اسکے بعد حضرت عثمان رضہ نے ان کی تقلید کی، اور ولید نے بھی اس سنت راشدہ کو قائم رکھا اور ایک مہمان خانہ تیار کروایا،[3]

فقرا، بیکس اور اپاہج لوگوں کے وظائف | ہمارے مورخین ولید کے جبر و تشدد کے جہاں شاکی ہیں، اس کے ساتھ وہ اس کے اس لطف و کرم کا بھی اعتراف کرتے ہیں، کہ اس نے جذامیوں، اندھوں اور فقیروں کے وظائف جاری کئے اور یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لئے معلمین کا تقرر کیا، ہر اندھے کے لئے ایک آدمی متعین کیا جو اسکو راستہ دکھاتا تھا، ہر اپاہج کو ایک خادم دیا جو اسکی ضروریات کو پورا کرتا تھا،[4] ولید کے بعد خلفائے بنوامیہ میں ولید بن یزید بن عبدالملک نے بھی اسکی تقلید کی چنانچہ علامہ ابوالفرج نے اس کے حال میں لکھا ہے،

فلما ولی الولید اجری علی زمنی اہل الشام — جب ولید خلیفہ ہوا تو اس نے شام کے اپاہجوں اور

---

[1] ابن اثیر حوادث ۸۸ھ [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۴۴ [3] ایضاً ص ۳۴۸، [4] تاریخ الخلفاء ص ۱۶۶ و یعقوبی جلد ۲ ص ۳۴۵،

وعمیانهم وکساهم[۱]	اندھوں کے وظائف مقرر کئے اور انکو کپڑے دیئے

عمارات | اسلام میں فن تعمیر کی ترقی بنوامیہ کے عہد میں ہوئی، اورامیر معاویہؓ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے شاندار عمارتیں بنوائیں، چنانچہ تاریخ یعقوبی میں لکھاہے،

بنی وشید البنا[۲]	انھوں نے عمارتیں بنوائیں اور شاندار بنوائیں،

امیر معاویہؓ کے بعد ولید بن عبد الملک نے صنعت تعمیر کو اس قدر ترقی دی کہ تاریخ اسلام میں اس کا دور حکومت اس حیثیت سے ممتاز خیال کیا جاتا ہے آداب السلطانیہ میں ہے،

وکان شدید الکلف بالعمارات و	اس کو عمارات اور جہاز سازی کے کارخانے
الابنیۃ واتخاذ المصانع والضیاع و	وغیرہ بنانے کا نہایت شوق تھا، یہانتک کہ اسکے
کان الناس یلتقون فی زمانہ فیسئل	زمانے میں جب لوگ باہم ملتے تھے تو صرف عمارات
بعضھم بعضا عن الابنیۃ والعمارات[۳]	کا تذکرہ کرتے تھے،

ولید نے جو عمارتیں تعمیر کروائیں، ان میں جامع مسجد دمشق، مسجد دمشق، مسجد نبوی اور مسجد اقصی تمدن اسلام کے چہرے کا آب ورنگ ہیں، عمارات کے علاوہ خلفائے بنوامیہ نے ملک کے اطراف میں نہایت کثرت سے شہر آباد کرائے، حجاج نے کوفہ اور بصرہ کے درمیان ایک شہر بسایا، جس کا نام واسط رکھا، سلیمان بن عبد الملک نے رملہ کو آباد کیا اور اس میں محل مسجد، کنویں اور تالاب تیار کرائے، عقبہ بن نافع نے افریقہ میں قیروان کو آباد کیا، اس کے علاوہ انھوں نے اور بھی بہ کثرت شہر آباد کرائے، جن کی تفصیل اس موقع پر نہیں کی جاسکتی،

ادبیات | بنوامیہ کے ترقی پذیر دور حکومت کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انھوں نے مختلف قسم کے جدید انتظامات کئے جن کی تفصیل یہ ہے،

---

[۱] مختصر الدول ص۲۰۳ [۲] یعقوبی جلد ۲ ص۲۶۵ [۳] آداب السلطانیہ ص۱۱۲،

ڈاک کا انتظام حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے سے پہلے ڈاک کا کوئی انتظام نہ تھا، جس کی وجہ سے فوجی اور ملکی خبریں سرعت کے ساتھ نہیں پہونچ سکتی تھیں، حضرت امیر معاویہؓ نے اس غرض سے مختلف مقامات پر تیز رو گھوڑے مقرر کئے، جن کے ذریعہ سے خبر رسانی میں نہایت آسانیاں پیدا ہوگئیں، عربی میں اس صیغہ کا نام برید ہے، اور لغت میں برید کا اطلاق ۱۲ میل کی مسافت پر ہوتا ہے، علامہ فخری نے لکھا ہے کہ غالباً بارہ بارہ میل پر گھوڑے مقرر کئے گئے ہونگے، اسی لئے اس صیغہ کا نام برید رکھا،

دیوان الخاتم حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے سے پہلے خلفاء جو احکام صادر کرتے تھے وہ بالکل بے ضابطہ ہوتے تھے جس کی بناء پر لوگوں کو بددیانتی کا موقع مل سکتا تھا، حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں بھی کچھ دنوں یہی طریقہ جاری رہا، لیکن ایک بار انھوں نے ایک شخص کو ایک لاکھ درہم دلوائے اور اس کے لئے زیاد کے نام حکم لکھا، وہ فرمان لے کر چلا تو ایک لاکھ کے بجائے دو لاکھ بنا دیئے، بعد کو جب زیاد نے حساب پیش کیا تو امیر معاویہؓ نے اس پر گرفت کی اور ایک لاکھ کی مزید رقم اس شخص سے واپس لی اس واقعہ کے بعد ان کو فرامین شاہی کی باضابطگی کی طرف توجہ ہوئی اور انھوں نے ایک خاص محکمہ قائم کیا جس کا نام دیوان الخاتم رکھا اس محکمہ کے قائم ہونے کے بعد جو فرمان صادر ہوتا تھا، اسکی باضابطہ نقل لی جاتی تھی اسکی تھی کیجاتی تھی، اور اس پر مہر لگائی جاتی تھی، جس سے کسی کو اس قسم کی بددیانتی کا موقع نہیں مل سکتا تھا، یہ صیغہ خلافت عباسیہ کے وسط زمانہ تک قائم رہا، لیکن اس کے بعد توڑ دیا گیا،[1]

باضابطہ محکمے اسلام میں باضابطہ محکمے بھی حضرت امیر معاویہؓ ہی کے زمانہ میں قائم ہوئے، چنانچہ مورخ یعقوبی نے زیاد کے حال میں لکھا ہے،

وکان اول من دون الدواوین و	زیاد پہلا شخص ہے جس نے محکمے قائم کئے اور
وضع النسخ للکتب افرد کتابا لرسائل	کاغذات کی نقلیں لیں اور سرکاری کاغذات کے

[1] آداب السلطانیہ ص ۹۵،

من العرب والموالی المتفصحین وکان	لکھنے کے لئے فصیح عرب درموالی مخصوص کئے
زیاد یقول ینبغی ان یکون کتاب الخراج	زیاد کہا کرتا تھا کہ خراج کے محرر عجم کے رؤسا میں سے
من رؤساء الاعاجم العالمین بامر	مقرر کرنے چاہئیں جو خراج کے معاملات سے واقف
الخراج.... وکان زیاد اول من بسط	ہوتے ہیں، اور زیاد پہلا شخص ہے جس نے اپنے
الارزاق علی عمالہ لف الف درھم[۵]	عہدہ داروں کی تنخواہیں بڑھائیں اور ان کے لئے ۴

ملکی صیغوں میں عربی زبان کا رواج | لیکن ان تمام محکموں میں فارسی زبان رائج تھی، لیکن عبد الملک کا دور حکومت آیا تو اس نے تمام صیغوں کی زبان عربی کردی[۲]، اور یہ پہلا دن تھا کہ عربی زبان کو سرکاری زبان بننے کا شرف حاصل ہوا، عبد الملک نے غالباً عراق اور حدود عراق کے محکموں میں یہ اصلاح کی تھی، شام کے اطراف میں رومی زبان سرکاری حیثیت سے تمام محکموں میں جاری تھی اور اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا تھا، لیکن ولید نے اپنے زمانہ میں اس ناہمواری کو بھی مٹا دیا، اور عیسائیوں کو حکم دیا کہ سرکاری کاغذات رومی زبان میں نہ لکھے جائیں، عربی زبان میں لکھے جائیں[۳]،

ٹکسال | عبد الملک کے زمانے سے پہلے تمام ممالک اسلامیہ میں رومی سکے جاری تھے، عبد الملک پہلا شخص ہے جس کے زمانہ میں ٹکسال قائم کی گئی، اور اس میں سکے ڈھالے گئے[۴]،

صنعت پارچہ بافی کی ترقی | سلیمان بن عبد الملک نہایت خوش پوشاک اور جامہ زیب تھا، وہ خود نہایت باریک، نہایت رنگین اور نہایت منقش کپڑے پہنتا تھا، اور اپنے خاندان، اپنے عمال اور اپنے ملازمین تک کو اسی قسم کے کپڑے پہناتا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے زمانے میں ان کپڑوں کا شوق عام ہوگیا، اس لئے ان کی صنعت میں غیر معمولی ترقیاں اور ایجادیں ہوئیں چنانچہ مسعودی لکھتا ہے،

وفی ایامہ عمل الوشی الجید بالیمن والکوفۃ	اور اس کے زمانے میں یمن کوفہ اور اسکندریہ میں رنگین

۱؎ یعقوبی جلد ۲ ص ۲۷۹ ۲؎ آداب السلطانیہ ص ۱۱۱ ۳؎ مختصر الدول ص ۱۹۱ ۴؎ تاریخ الخلفاء ص ۲۱۶،

وکا سکت دیۃ ولبس الناس جمیعًا | او عمدہ کپڑے بنے گئے اور لوگوں نے ان کپڑوں
الوشی جبابا وادریۃ وسل ودیل و | کے جبے، چادریں، پائجامے، عمامے
وعمائم وقلانس، [۱] | اور ٹوپیاں پہنیں،

علوم وفنون کی ترویج واشاعت | اسلامی علوم وفنون میں کوئی فن ایسا نہیں ہے جس کی ترتیب تدوین، تہذیب وپرداخت اور ترقی واشاعت میں خلفاے بنو امیہ کی کوششوں کا حصہ شامل نہ ہو،

قرآن مجید | قرآن مجید جو تمام اسلامی علوم وفنون کا سرچشمہ ہے، وہ اگرچہ خلافت راشدہ کے زمانے تک مرتب ومدون ہو چکا تھا لیکن اب تک اس میں نقطے اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے، عرب کیلئے تو اس کی قرأت میں کوئی دقت نہ تھی لیکن جب عجمی قومیں اسلام لائیں تو ان کو قرآن مجید کی قرأت میں دشواریاں پیش آئیں، اور عراق میں اس کے متعلق سخت غلطیاں پھیل گئیں حجاج نے فوراً اسکا تدارک کیا، اور قرآن مجید میں نقطے لگوائے [۲]، اس کے بعد بھی غلطیاں ہونے لگیں تو لوگوں نے اعراب لگائے،

تفسیر | بنو امیہ ہی کے زمانے میں یہ فن مدون ہوا اور انہی کے زمانے میں بڑے بڑے مفسرین پیدا ہوئے تفسیر کی پہلی کتاب جو سعید بن جبیر نے لکھی وہ عبد الملک کے حکم سے لکھی گئی، [۳]

حدیث | علم حدیث کی تدوین وتالیف کا شرف بھی بنو امیہ کو حاصل ہے، چنانچہ اسکی تفصیل حضرت عمر بن عبد العزیز کے کارنامہ ہائے زندگی میں گذر چکی ہے،

اصول لغت | اصول لغت کی تدوین بھی بنو امیہ کے دور حکومت میں ہوئی، چنانچہ ابو الاسود دولی نے زیاد بن ابیہ سے اصول نحو کے مرتب کرنے کی اجازت چاہی، اس نے پہلے تو انکار کیا، لیکن بعد کو اجازت دیدی، [۴]

تاریخ | فن تاریخ کی تدوین وترتیب بھی بنو امیہ کے دور حکومت میں ہوئی، اور سب سے پہلے انہی کے

---

[۱] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ [۲] ابن خلکان تذکرہ حجاج [۳] میزان الاعتدال ذہبی تذکرہ عطاء بن دینار [۴] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۴۰،

زمانے میں تاریخی کتابیں تصنیف ہوئیں، ایک طرف تو فن سیر و مغازی کے بڑے بڑے علماء مثلاً وہب بن منبہ، محمد بن مسلم الزہری، موسیٰ بن عقبہ اور عوانہ جو اس فن کے متعلق کتابوں کی تدوین و تالیف میں مصروف تھے، انہی کے زمانے میں تھے، دوسری طرف خلفائے بنو امیہ کو فن تاریخ کے ساتھ خود نہایت شغف تھا، علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ ہمیشہ عشاء کے بعد پہلے وزراء سے مشورہ کرتے پھر تاریخی واقعات سنتے، جب رات کا ثلث حصہ گذر جاتا تو سو جاتے پھر اٹھتے اور دوبارہ یہی مشغلہ شروع ہو جاتا، متعدد لڑکے تاریخی کتابیں لیکر آتے اور ان کو پڑھ پڑھ کر سناتے، [1] جب اس پر بھی قناعت نہ ہوئی تو صنعائے یمن سے ایک عالم کو جس کا نام عبید بن شریہ تھا بلایا اور اس سے بہت سے تاریخی واقعات سنے اور ان واقعات کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کرنے کا حکم دیا جو عبید بن شریہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، [2]

ہشام کے شوق و ایماء سے عربی لٹریچر میں اور بھی متعدد تاریخی تصنیفات کا اضافہ ہوا چنانچہ جبلہ نے اس کے لئے ایران کی بعض تاریخی کتابوں کا ترجمہ فارسی سے عربی میں کیا ہشام نے ایک اور کتاب تاریخ ملوک الفرس کا ترجمہ کرایا، جس میں ایرانی سلطنت کے قوانین اور شاہان ایران کے حالات تھے، [3]

یونانی علوم و فنون کے تراجم یونانی علوم و فنون کے ترجمہ کی ابتداء بھی بنو امیہ ہی کے دور حکومت میں ہوئی چنانچہ ابن آثال نے حضرت امیر معاویہؓ کے لئے یونانی زبان سے طب کی متعدد کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا، اور یہ پہلا ترجمہ تھا جو اسلام کے دور حکومت میں کیا گیا،

مروان بن حکم کے زمانے میں ماسرجویہ نے عربی زبان میں ایک طبی کتاب کا ترجمہ کیا تھا، یہی کتاب تھی جس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شاہی کتب خانے میں پایا اور ممالک محروسہ میں اس کے مختلف نسخے تقسیم کئے، [4]

---

[1] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد ۲ ص ۲۳ [2] کتاب الفہرست ص ۱۳۲ [3] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۱۰۶

[4] مختصر الدول ص ۱۹۲، اخبار الحکماء تذکرہ ماسرجویہ،

خاندان بنو امیہ میں خالد بن یزید بن معاویہ ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس کو حکیم آل مروان کا لقب دیا گیا، وہ پہلے خلافت کے دعویداروں میں تھا لیکن جب اس کو ناکامی ہوئی تو اس نے علم کیمیا کی طرف توجہ کی اور مریانس نامی ایک رومی راہب سے اسکی تعلیم حاصل کی، اس کے ساتھ یونان سکے جو فلسفی مصر میں رہتے تھے اور عربی زبان کے ماہر تھے، ان کی ایک جماعت کو بلایا، اور ان کے ذریعہ سے عربی زبان میں فن کیمیا کی متعدد یونانی اور قبطی کتابوں کے ترجمے کرائے، خالد نے طب اور کیمیا میں جیسا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے، خود بھی متعدد رسالے لکھے[1] ہشام کے زمانے میں ایرانی تاریخ کے علاوہ بعض یونانی کتابوں کا ترجمہ بھی ہوا، چنانچہ سالم نے ارسطو کے ان رسالوں کا ترجمہ کیا جو اس نے سکندر کے لئے لکھے تھے[2]

خلفاے بنو امیہ نے اندلس میں بھی اپنے اولیت کے اس شرف کو قائم رکھا، چنانچہ انہی کے زمانے سے اہل اندلس کو یونانی علوم و فنون کی طرف توجہ ہوئی[3]، اور انہی کے زمانہ میں وہاں عقلیات کے اکابر علما پیدا ہوئے،

اندلس کے اس جدید علمی دور کا آغاز تیسری صدی کے وسط سے ہوا، اور چوتھی صدی کے وسط تک اس نے آہستہ آہستہ ترقی کی[4] لیکن اس کے بعد امیر الحکم المستنصر باللہ بن عبد الرحمن الناصر لدین اللہ نے عقلی علوم و فنون کی طرف غیر معمولی توجہ کی، اور مصر و بغداد سے ان علوم کی کتابیں منگوا کر اس کثرت سے جمع کیں کہ خلفاے عباسیہ کا دور حکومت اپنے علمی ساز و سامان کے ساتھ لوگوں کی نگاہ کے سامنے آگیا، چنانچہ علامہ ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں،

واستجلب من بغداد و مصر و غیرهما	اس نے بغداد، مصر اور ان کے علاوہ دیار مشرق سے
من دیار المشرق عیون التوالیف الجلیلة	علوم قدیمہ و جدیدہ کی نہایت عمدہ کتابیں

---

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۳۵۴ و ۴۹۷ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۶۸ [2] ایضاً صفحہ ۱۷۱ [3] طبقات الامم ابن صاعد اندلسی صفحہ ۶۴ [4] ایضاً صفحہ ۶۵

والمصنفات الغريبة فی العلوم	منگوائیں اور ان کو اپنے باپ کی بقیہ زندگی کے
القدیمة والحدیثة وجمع منہا فی	زمانے میں پھر اس کے بعد اپنے دور حکومت میں
بقیة ایام ابیه ثم فی مدة ملکه من	اس طرح جمع کیا جو خلفاے عباسیہ کے اس علمی
بعدہ ما کاد یضاہی ما جمعتہ ملوک	سرمایہ کی ہمسری کرنے لگا جو انھوں نے ایک طویل
بنی العباس فی الازمان الطویلة	زمانے میں جمع کیا تھا، اور اسکی یہ سرگرمی صرف
وتہیأ له ذلک لفرط محبته للعلم	اس لئے تھی کہ اسکو علم سے محبت تھی کسب کمالات
وبعد ہمته فی اکتساب الفضائل و	میں نہایت بلند ہمت تھا، اور ان سلاطین کے
سمو نفسه الی التشبه باہل الحکمة	مشابہ بننا چاہتا تھا جو بادشاہ ہونے کے
من الملوک فکثر تحرک الناس فی	ساتھ حکیم بھی تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں
زمانه الی قراءة کتب الاوائل	نے اس کے زمانے میں متقدمین کی کتابوں کے
وتعلم مذاہبہم.[1]	پڑھنے کی طرف نہایت شدت سے توجہ کی

(بیچ میں حاشیہ: [illegible])

تدبیر و سیاست | خلفاے بنو امیہ کے جبر و استبداد کے متعلق جو واقعات عام طور پر مشہور ہیں انکو پڑھ کر عام طور پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے رعایا کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لی تھیں، اور اپنے عیش و عشرت کے سامنے رعایا کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے لیکن تاریخ بالکل اس کے خلاف شہادت دیتی ہے، حضرت امیر معاویہ کی نسبت مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ

"وہ دن اور رات میں پانچ مرتبہ دربار کرتے تھے"

ان اوقات میں ایک وقت صرف استغاثہ کے لئے تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ ان کا غلام مسجد میں ایک کرسی بچھا دیتا تھا، وہ

---

[1] طبقات الامم ص۔

"کرسی پر بیٹھ جاتے تھے، اور فوجداری کے مقدمات کی سماعت کرتے تھے، ضعیف، بدوبچے،
عورت اور بیکس لوگ ان کے سامنے آتے اور کہتے کہ ہم پر ظلم کیا گیا ہے، وہ فرماتے کہ ان کی مدد
کرو، وہ لوگ کہتے کہ ہم لوگ ستائے گئے ہیں، وہ کہتے کہ اس کے ساتھ تحقیقات کے لئے آدمی بھیجو
وہ لوگ کہتے کہ ہمارے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے، وہ کہتے کہ اس کے معاملے کی تفتیش کرو، یہانتک کہ
جب کوئی باقی نہ رہ جاتا تو تخت پر بیٹھتے، اور درباری لوگ حسب مراتب حاضر ہوتے، جب وہ لوگ
اطمینان سے بیٹھ جاتے تو وہ کہتے کہ جو لوگ ہم تک پہونچ نہیں سکتے ان کی ضروریات ہمارے
سامنے پیش کرو، اب ایک شخص کھڑا ہو کر کہتا کہ فلاں آدمی شہید ہو گیا، وہ کہتے کہ اس کے بچوں کا
وظیفہ مقرر کرو، دوسرا کہتا کہ فلاں شخص بال بچوں کو چھوڑ کر کہیں نکل گیا، وہ کہتے کہ انکی
نگرانی کرو، ان کو دو، ان کی ضروریات پوری کرو، اور ان کی خدمت کرو پھر کھانا آتا، اسی
حالت میں ان کا پیشکار حاضر ہوتا، اور کاغذات پڑھتا اور وہ احکام صادر کرتے جاتے یہانتک
کہ تمام اہل حاجت کی ضرورت پوری کر دیتے" [۱]

اس کے بعد مسعودی نے امیر معاویہ کی تدبیر و سیاست کے متعلق متعدد واقعات نقل کئے ہیں،
اور ان کے اخیر میں لکھا ہے کہ

ان کے اخلاق ان کے احسانات اور ان کی فیاضیوں نے لوگوں کو اپنا اس قدر گرویدہ بنالیا
کہ لوگوں نے ان کو اپنے قرابتداروں پر بھی ترجیح دی، [۲]

امیر معاویہ کے بعد عبدالملک وغیرہ نے بھی انہی کے اخلاق و عادات اور انہی کے طرز حکومت کی تقلید
کرنی چاہی، مسعودی کے بیان کے موافق اگرچہ یہ لوگ اون کے درجہ کو نہ پہنچ سکے، [۳] تاہم اس قدر مسلم ہے، کہ

کان عبدالملک بن مروان شدید الیقظة | عبدالملک بن مروان سخت بیدار مغز تھا، وہ

---

[۱] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد دوم صفحہ ۲۲۳، ۲۲۲، [۲] ایضاً صفحہ ۲۳۱، [۳] ایضاً صفحہ ۲۳۵،

کثیر التعاهد لولاتہ[۱] | اپنے عمال کی سخت نگرانی کرتا تھا،

چنانچہ ایک بار اس کو معلوم ہوا کہ اس کے کسی عامل نے کسی کا ہدیہ قبول کیا ہے تو اس کو طلب کرکے باز پرس کی،[۱]

ولید عبد الملک کا بیٹا تھا، اور عبد الملک اپنی اولاد کو ہمیشہ فضل، احسان اور مکارم اخلاق کے اختیار کرنے کی ترغیب دیا کرتا تھا، ایک بار اس نے اپنے بیٹوں کو مخاطب کرکے کہا کہ لڑکو! تمہارا خاندان ایک معزز خاندان ہے، اس کے شرف کو مال و دولت صرف کرکے محفوظ رکھو،[۲] اسی تربیت کا نتیجہ تھا، جس نے ولید کو اہل شام کی نگاہوں میں تمام اموی خلفاء سے زیادہ محبوب بنا دیا تھا، چنانچہ آداب السلطانیہ میں لکھا ہے کہ

کان الولید من افضل خلفائھم سیرۃ[۳]	ولید اخلاقی حیثیت سے اہل شام کے نزدیک
عند اھل الشام،	تمام خلفائے بنو امیہ سے اچھا تھا،

اور اس محبوبیت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس نے جامع دمشق، جامع مدینہ اور مسجد اقصیٰ کو تعمیر کرایا جذامیوں کو وظیفہ دیکر بھیک مانگنے سے محفوظ رکھا، ہر اپاہج کے لئے ایک ایک خادم اور ہر اندھے کے لئے ایک ایک راستہ دکھانے والا مقرر کیا،[۴] سلیمان بن عبد الملک کے فخر و مزیت کے لئے صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کے نظام حکومت کی بنیاد اسی کے زمانہ میں پڑی لوگوں کے اموال جو غصب کر لئے گئے تھے اس نے واپس کر دیئے جو لوگ ظلماً گرفتار کرکے قید کر دیئے گئے تھے، اس نے ان کو رہا کر دیا،[۵] نماز کو وقت پر قائم کیا، راگ باجے کی ممانعت کر دی، اور حجاج کے عمال کو یک قلم موقوف کر دیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کو اپنا وزیر مقرر کیا

---

[۱] کتاب البیان والتبیین جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ [۲] مروج الذہب برحاشیہ نفح الطیب جلد دوم صفحہ ۲۳۵ [۳] ایضاً صفحہ
[۴] آداب السلطانیہ صفحہ ۱۱۴ [۵] مختصر الدول صفحہ ۱۹۶،

اور ان کے تمام نیک مشورے قبول کئے،[1]

دفع مطاعن | خلفائے بنو امیہ کے طرزِ حکومت اور آئینِ جہانبانی پر جو اعتراضات ہیں، ان کے اجمالی جواب کے لئے ہم عبدالملک بن مروان کی یہ معذرت کافی سمجھتے ہیں،

کہاں وہ لوگ جن پر حضرت عمر بن الخطابؓ حکومت کرتے تھے، اور کہاں اس زمانہ کے لوگ؟ میرا خیال ہے کہ بادشاہ کی روش رعایا کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے، اگر کوئی شخص اس زمانے میں حضرت عمرؓ کی روش اختیار کرے تو لوگوں کے گھروں میں لوٹ ڈال دی جائے، ڈاکے پڑنے لگیں، اور باہم جنگ و جدل ہونے لگے، اس لئے والی کا فرض ہے کہ وہ روش اختیار کرے جو اس کے زمانہ کے لئے موزوں ہو،[2]

اس لئے خود ان کا کوئی تفصیلی جواب دینا نہیں چاہتے،

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۶ [2] طبقات ابن سعد جلد ۵ تذکرہ عبدالملک بن مروان ص ۱۷۳،

خاتمہ

سلطنت بنو امیہ کا زوال

دعوت عباسیہ کی ابتدا، حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں ہوئی اور اس کے ۳۰ سال کے بعد اموی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، اس لئے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس مبارک عہد کے تیس ہی سال بعد زمانہ نے کیونکر خاندان بنو امیہ کا دفتر الٹ دیا؟ کیا اس کے اسباب حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ ہی کے زمانے میں پیدا ہوئے؟ کیا ان کا عادلانہ نظام سلطنت اس زمانہ کیلئے موزوں نہ تھا؟ کیا قدیم جبر و اقتدار کے استیصال نے جو حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کا ایک شاندار کارنامہ ہے نظامِ حکومت میں ایسا ضعف پیدا کر دیا جس سے حریفانہ طاقتوں نے فائدہ اٹھایا؟

اس بنا پر ہم ان کے سوانح زندگی کے خاتمہ میں سلطنت بنو امیہ کے اسباب زوال پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں، اوپر گذر چکا ہے کہ عرب میں زمانۂ جاہلیت ہی سے اموی و ہاشمی دو حریفانہ طاقتیں قائم تھیں اور اسلام کے زمانے تک قائم رہیں، لیکن جب تک اہل عرب کی قومی طاقت کا رخ غیر قوموں کی طرف رہا، ان میں باہم کسی قسم کا تصادم نہیں ہوا، لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں یہ دونوں طاقتیں باہم ٹکرائیں، اور یہ پہلا دن تھا جس میں عرب کی خانہ جنگی کی ابتدا ہوئی، جس کا آخری نتیجہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا،

اہل عجم جو اپنے فطری خاصہ کی بنا پر ابتدا ہی سے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے، اب ان کی سازشوں کے لئے ایک وسیع میدان ہاتھ آیا اور انھوں نے اہلبیت کی

حمایت کے پردے میں اپنے قدیم بغض وحسد کا انتقام لینا چاہا، لیکن عبدالملک و ولید کے زمانے تک
یہ مخفی طاقت دبی دبی رہی، لیکن جب یہ پرزور شخصیتیں مٹ گئیں تو بنو ہاشم اہل عجم کے سہارے پر
اٹھے اور عراق وخراسان میں جو عجمی طاقت کے مرکز تھے اپنے نقبا پھیلا دیئے اور ۱۰۰ھ ۱۰۲ھ ۱۰۳ھ
۱۰۵ھ ۱۰۹ھ میں اپنی گمشدہ طاقت کی واپسی کے لئے خاص طور پر کوششیں کیں، جو لوگ اس سازش میں مصروف
تھے انھوں نے محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ۱۲۶ھ میں ان کا انتقال ہوا تو وہ ابراہیم امام کو اپنا جانشین
کر گئے ۱۲۸ھ میں ابراہیم امام کو ابو مسلم خراسانی ایک عجیب وغریب شخص ہاتھ آگیا جس کو اس مقصد کی تکمیل
کے لئے قدرتی طور پر وہی ذریعہ مل گیا جس سے تحریک کا آغاز ہوا تھا، عجمی طاقت کا ظہور جیسا کہ اوپر گذر چکا
ہے، عرب کی خانہ جنگی سے ہوا تھا، اور ابو مسلم کے زمانے میں اس آگ کے شعلے اور بھی بلند ہو گئے، اور
عرب کے مضری اور قحطانی قبائل میں باہم سخت رشک ومنافست قائم ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصر
ابن سیار نے جو قحطانیوں کا مخالف تھا ان کے لئے سرکاری ملازمت کا دروازہ بالکل بند کر دیا، خراسان
میں قحطانیوں کا سردار جدیع بن علی کرمانی تھا، اس نے نصر کو سمجھایا کہ اس طرز عمل سے سخت شورش ہو گی
اور ان سیاہ پوشوں کو (حامیان بنو ہاشم نے سیاہ لباس اختیار کیا تھا اسلئے ان کو مسودہ کہتے تھے)
حملہ کا موقع ملے گا، اس پر نصر نے کرمانی کو قید کر دیا، لیکن کرمانی اپنے ایک عجمی غلام کی حسن تدبیر سے
قید خانے سے نکل بھاگا، اور ربیعہ اور قبائل یمن کی باہمی حلف واعانت سے نصر کا مقابلہ کیا اور
تقریباً پونے دو برس تک باہم جنگ قائم رہی، اس مدت میں فریقین کی قوت میں جس قدر ضعف آتا گیا
اسی قدر ابو مسلم کی طاقت میں اضافہ ہوتا گیا یہانتک کہ خراسان کے اطراف میں جن لوگوں نے اس کے
ہاتھ پر بیعت کی ان کی تعداد کم از کم دو لاکھ تک پہنچ گئی، اب ابو مسلم نے نصر کی طاقت توڑنے کے لئے
کرمانی کو ملا لیا، لیکن جب نصر کو اسکی خبر پہونچی تو اس نے کرمانی کو لکھا کہ ہم دونوں الگ ہو جائیں اور
قبیلہ ربیعہ کے کسی شخص کو سردار بنا لیں، چونکہ کرمانی نے پہلے ہی مصالحت کے لئے یہ تجویز پیش کی تھی اسلئے

اس پر راضی ہوگیا، اور رات کو مخفی طور پر ابو مسلم کی فوج سے نکل کر نصر کی طرف روانہ ہوا، لیکن نصر نے اس کو دھوکے سے قتل کرادیا، اب کرمانی کے لڑکے علی نے ابو مسلم کے دامن میں پناہ لی اور اسکی اعانت سے باپ کے خون کا انتقام لینا چاہا، ابو مسلم نے قحطبہ کو نصر کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اور نصر نے مجبوراً اطاعت قبول کرلی، اور قحطبہ نے اسکو امان دیدی، لیکن وہ ایک رات کو مخفی طور پر اسکی فوج سے نکل بھاگا، اور ساوہ میں پہونچ کر چند روز کے بعد مرگیا، اب نصر اور کرمانی دونوں کی فوجیں ابو مسلم کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوگئیں، اور ابو مسلم نے تمام خراسان پر قبضہ کرلیا[1]، اس کے بعد جو ممالک رہ گئے وہ نہایت آسانی کے ساتھ مفتوح ہوگئے، مروان بن محمد نے جو خاندان بنو امیہ کا آخری تاجدار تھا بھاگ کر مصر میں پناہ لینی چاہی، لیکن بالآخر مقتول ہوا، اور اسی کے ساتھ اس شاندار سلطنت کا خاتمہ ہوگیا،

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور خلافت سے پہلے ہی بنو امیہ کی سلطنت کے زوال کے اسباب پیدا ہوگئے تھے، اور وہ آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے، یہانتک کہ عرب کی خانہ جنگی نے ان کو کامل طور پر نشو و نما دیدی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور خلافت کو ان سے کوئی تعلق نہ تھا،

---

[1] یہ تفصیل الاخبار الطوال سے ماخوذ ہے،

سلسلۂ تاریخ اسلام

اُردو مین اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہین تھی جس مین تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتون کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ ہو، اس لئے دار المصنفین تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرا رہا ہے، جس کے بعض حصے یہ ہین، اور بعض زیر طبع ہین اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہین، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہون گے شائع ہوتے رہین گے،

تاریخ اسلام حصہ اوّل، (عہد رسالت و خلافت راشدہ) اس مین آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے، (زیر طبع) ضخامت، ۳۰۷ صفحے، قیمت :- سے ر

تاریخ اسلام حصۂ دوم، (بنو امیہ) اس مین اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے

ضخامت ۴۰۳ صفحے قیمت : سے ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم، (تاریخ بنی عباس جلد اول) اس مین خلیفہ ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للہ ۳۳۳ھ / ۹۴۴ء تک دو صدیون کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت :- للعہ ر

تاریخ اسلام حصہ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم)، اس مین خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ / ۹۴۴ء سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،

ضخامت ۴۳۲ صفحے، قیمت : عہ ر

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصہ اوّل، اس مین عثمان اول سے مصطفےٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارنامون کی تفصیل ہے، ضخامت : ۵۰۰ صفحے، قیمت : سے ر

تاریخ دولت عثمانیہ حصہ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارنامون کی تفصیل از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۹ء ضخامت : ۴۶۸ صفحے، قیمت : عہ ر

(مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دار المصنفین، اعظم گڈھ)

تاریخ صقلیہ جلد اول، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، حکومت کا قیام اور عہد بعہد کی ترقیون اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے۔ ۴۴۶ صفحے، قیمت : للعہ ر

تاریخ صقلیہ حصہ دوم: یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیون کا مرقع ہے جس مین عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہا، ادبار و شعرار کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،

۵۰۰ صفحے، قیمت : للعہ ر

(مرتبہ : مولانا سید ریاست علی ندوی)

مسعود علی ندوی

منیجر

دار المصنفین اعظم گڈھ

(طابع : محمد اویس وارثی)